تفسیر سورۃ الحجرات



از رشحات قلم
ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی حفظہ اللہ

دار السعادۃ

تفسیر

سورۃ الحجرات

از رشحاتِ قلم

ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی
فاضل مدینہ یونیورسٹی

دارالسعادۃ
منکیرہ، ضلع بھکر
0333-8903125, 0300-6431693

کتاب

تفسیر سورۃ الحجرات

مؤلف

ابو حمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی

ناشر ------------------ دار السعادۃ

اشاعت ----------------- نومبر ۲۰۲۰ء

ملنے کا پتا

دار السعادۃ

منکیرہ، ضلع بھکر

0333-8903125, 0300-6431693

فہرست مضامین

''حرفِ چند''

سورۃ الحجرات قرآن مجید کی ان سورتوں میں سے ہے جو زیادہ تر احکام پر مبنی ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان احکام و آداب کی تعلیم فرمائی ہے جو اہل ایمان کے شایان شان ہیں۔ چنانچہ ابتدا میں نبی کریم ﷺ کے آداب بیان فرمائے، اس کے بعد ان برائیوں کا تذکرہ فرمایا جو کسی بھی معاشرے کا امن برباد کر دیتی ہیں اس دوران میں اس بات کی بھی تلقین فرمائی کہ اگر کبھی مسلمانوں میں لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کروادو۔ جبکہ آخر میں اسلام اور ایمان کے درمیان فرق سمجھایا گیا ہے۔

محبی و مشفقی جناب پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ سعیدی متعنا اللہ بطول حیاتہ نے سورۃ الحجرات کی تفسیر میں ان چیزوں کو کھول کر بیان کیا ہے۔ شیخ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تحریر کا جو ملکہ عطا فرما رکھا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ کئی ایک کتب کے مصنف ہیں، مترجم ہیں۔ آپ کا جماعت میں ایک نام و مقام ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود انتہائی سادہ مزاج اور متواضع، اصحاب علم کے قدر دان، تبلیغ دین کے شائق اور کتاب وسنت پر مبنی مسائل کی اشاعت کے لیے ہر وقت کوشاں۔ بندۂ ناچیز اس بات پر گواہ ہے کہ دینی امور کے سلسلے میں شیخ محترم کے سامنے جب بھی اور جس طرح کی بھی راقم نے درخواست رکھی تو انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہمیشہ شفقت ہی فرمائی۔

مجلہ ''نور الحدیث'' جاری ہوا تو راقم کی خواہش تھی کہ اس میں سورۃ الحجرات کی تفسیر شائع کی جائے، چنانچہ حسبِ عادت جب شیخ کے سامنے اس خواہش کو رکھا تو انھوں نے

بخوشی یہ درخواست بھی قبول کی۔ سورۃ الحجرات کی جو تفسیر اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ وہی تفسیر ہے جو دو ماہی ''نور الحدیث'' کے صفحات پر چودہ اقساط میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی افادیت کے پیش نظر معمولی حک و اضافے کے ساتھ اسے کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ مؤلف اور جملہ معاونین کو اجر عظیم سے نوازے اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین

اخوکم

محمد ارشد کمال

مدیر دو ماہی ''نور الحدیث''، لاہور

30-10-2020

تعارف

نام	سورۃ الحجرات
آیات	18
رکوعات	2
مکی/ مدنی	مدنی
تعداد کلمات (الفاظ)	343
تعداد حروف	1476
قرآنی ترتیب میں سورہ نمبر	49
ترتیب نزولی میں	106

سورۃ الحجرات

تعارف:

یہ قرآن کریم کی سورت نمبر 49 ہے۔ اہل علم کے بیان کے مطابق سورتوں کی نزولی ترتیب کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر 106 ہے۔ یہ مدنی سورت ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 4 میں رسول اللہ ﷺ کے ''حجرات (مکانات)'' کے تذکرے کے حوالے سے لفظ "الحجرات" وارد ہوا ہے۔ اسی لفظ کی مناسبت سے اس کا نام ''سورۃ الحجرات'' رکھا گیا ہے۔ ''حجرات''، ''حجرۃ'' کی جمع ہے۔

زمانہ نزول اور مباحث:

یہ سورت متعدد احکام و ہدایات پر مشتمل ہے جو مختلف مواقع پر حسبِ ضرورت نازل ہوئے۔ جنھیں موضوع اور مفہوم کی مناسبت سے یک جا کر دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی اور آخری آیات کی تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی بہت سی آیات فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں نازل ہوئی ہیں۔

اسلام کا بنیادی اصول اور ایمان کا اہم ترین ضابطہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ① ﴾ (الحجرات: 1)

''ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تمھاری ہر بات کو سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں ایمان کا اہم ترین تقاضا اور اسلام کا ایک بنیادی ضابطہ بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان پر ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت واتباع لازم ہے کسی کو بھی ان سے آگے پیش قدمی کرنا روا نہیں۔

یہ ضابطہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے:

1: ﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: 132/3)

''اور تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

2: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ﴾ (النسآء: 59/4)

''ایمان والو! تم اللہ کی، رسول (ﷺ) کی اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔''

3: ﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ ﴾ (المائدۃ: 92/5)

''اور تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور ان کی مخالفت سے بچو۔''

4: ﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ﴾ (الانفال: 46/8)

''اور تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''

5: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾

(محمد : 33/47)

''ایمان والو! تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور ان کی مخالفت کر کے اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اور ان کی مخالفت کرنے سے اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔

❋ یاد رہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے یہ الگ الگ نہیں ہیں کیوں کہ اللہ کے رسول کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات امت تک پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ (النجم : 3/53، 4)

''اور وہ (رسول ﷺ) اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے۔ (جو کچھ بھی کہتے ہیں) وہ (اللہ کی طرف سے) وحی ہی ہوتی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔''

لہٰذا رسول ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت و حدیث پر عمل کرنا درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (النساء : 80/4)

''جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔''

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت و حدیث پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنا ہے اسی طرح آپ کی حکم عدولی اور آپ ﷺ کی سنت و حدیث سے اعراض درحقیقت اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کا انکار ہے۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ .))

(صحیح البخاری : 2957)

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی۔''

❁ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ راہ ہدایت اور صراط مستقیم اطاعت رسول ہی سے ملتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا ؕ﴾ (النور : 54/24)

''(اے نبی!) آپ (ان سے) کہہ دیں کہ تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ اگر تم (اس سے) اعراض کرتے ہو تو یاد رکھو کہ اس (رسول) کو جو ذمے داری سونپی گئی ہے، وہ اسی کا ذمے دار ہے اور جو ذمے داری تمھاری ہے، اس کے ذمے دار تم ہی ہو۔ اور اگر تم اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''

بہرحال اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ کسی بھی انداز میں اور کسی بھی حوالے سے ان کی مخالفت نہ کی جائے اور نہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ

تین آدمیوں کا واقعہ:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین آدمیوں نے اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے نبی ﷺ کے رات کے معمولات اور عبادت کے حوالے سے استفسار کیا۔ جب انھیں آپ کی رات کی عبادت اور آپ کے معمولات سے آگاہ کیا گیا تو انھوں نے اتنی سی عبادت کو اپنے حق میں بہت تھوڑا سمجھا۔ وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کے رسول سے کیا نسبت؟ آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کردی ہیں۔ آپ کے

لیے تو اتنی ہی عبادت کافی ہے۔ ہم آپ سے حد درجہ کم ہیں۔ ہمیں تو اس سے کہیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔

چناں چہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو آئندہ زندگی بھر رات کو کبھی سویا نہ کروں گا۔ میں ہمیشہ راتوں کو جاگ جاگ کر ساری ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا: میں آئندہ ساری زندگی روزے رکھا کروں گا اور کبھی روزے کا ناغہ نہیں کروں گا۔

اور تیسرے نے کہا: میں بیوی بچوں کے بکھیڑوں میں نہیں پڑوں گا۔ ساری زندگی شادی نہیں کروں گا اور تجرد کی حالت میں زندگی گزار دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو آپ صحابہ کرام کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''تم میں سے بعض لوگوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں اور اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔'' اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ میں کبھی روزے رکھتا ہوں اور کبھی ناغے کر لیتا ہوں۔ میں رات کو نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ یاد رکھو! جس نے میرے طریقے سے انحراف کیا، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' (صحیح البخاری : 5063)

لہٰذا ایمان کا تقاضا ہے کہ اپنے قول و فعل میں کسی بھی انداز سے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت نہ کی جائے۔

اللہ نے اور اس کے رسول نے جو کام جس انداز سے کرنے کا حکم دیا ہے، وہی جائز اور مشروع ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی یا اضافہ کرنے کی اجازت نہیں۔ مثلاً:

- وضو کرتے ہوئے اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونا مشروع ہے۔ اعضاء وضو کو اس سے زیادہ مرتبہ دھونا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے اور شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر جائز نہیں۔ سیّدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر وضو کا طریقہ دریافت کیا۔ آپ نے اسے

وضو کر کے دکھلایا اور وضو کے اعضاء کو تین تین بار دھویا۔ پھر فرمایا: ''یہ مکمل وضو ہے۔ جس نے اس پر اضافہ کیا، اس نے بہت برا کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔''

(سنن ابن ماجه : 422۔ سنن ابی داوٗد : 135، سنن النسائی : 140)

- نماز شروع کرتے وقت باوضو ہونا اور قبلہ رو ہونا شرط ہے۔ جو آدمی وضو کیے بغیر اور علم ہونے کے باوجود قبلے کے علاوہ کسی دوسری طرف رخ کر کے نماز ادا کرے تو اس کی نماز، نماز نہیں۔
- فرض نمازوں کی تعداد اور رکعات متعین ہیں۔ ان میں کمی بیشی بھی حد سے تجاوز اور شریعت کی مخالفت ہے۔ ایسا کرنے والے کی نماز مقبول نہیں۔
- نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرنا مشروع ہے اس میں کمی بیشی یا تبدیلی کا کسی کو حق حاصل نہیں۔
- اللہ کی طرف سے ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور روزے کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ اگر کوئی آدمی کہے کہ رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مہینے میں رکھ لیے جائیں یا روزے کا وقت رات کے کسی وقت سے لے کر دن کو دوپہر تک ہے تو اس کا یہ قول اور عمل مخالف شرع ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابل قبول ہے۔
- باجماعت نماز ادا کرتے وقت مقتدی پر لازم ہے کہ وہ نماز کی ابتدا سے تکمیل تک امام کی اقتدا کرے اور اس کے پیچھے پیچھے رہے۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا:

''لوگو! میں تمھارا امام ہوں۔ تم نماز کے دوران رکوع، سجود اور قیام وسلام میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ یعنی مجھ سے آگے نہ بڑھا کرو۔ نماز کے دوران میں، میں تمھیں اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ رہا ہوتا ہوں جیسے میں سامنے کی طرف سے

دیکھتا ہوں۔‘‘ (صحیح مسلم : 426/112)

اس حدیث میں نمازیوں کو نماز کے دوران امام کی اقتدا کرنے کا پابند اور اس سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

بلکہ ایک حدیث میں تو امام سے سبقت کرنے اور اس سے آگے بڑھنے پر شدید وعید آئی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَمَا يَخْشَى الَّذِىْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ اَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ))

’’جو آدمی امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل کو مسخ کر کے اس کے سر کو گدھے کے سر سے بدل دے۔‘‘

(صحیح مسلم : 427/114)

فوری گرفت:

یاد رہے کہ جان بوجھ کر حکم شریعت اور حدیث رسول کی مخالفت کرنے اور ازراہِ تکبر عمل بالحدیث سے انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے آدمی کی فوری گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور : 63/24)

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اس مخالفت کی پاداش میں ان پر کوئی مصیبت یا کوئی دردناک عذاب نہ آ جائے۔‘‘

عبرت انگیز واقعہ:

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک آدمی بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔‘‘

اس نے کہا: "لَا اَسْتَطِیْعُ" میں داہنے ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔ درحقیقت اسے داہنے ہاتھ سے کھانے سے کچھ مانع نہیں تھا۔ اس نے صرف تکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہ مانتے ہوئے اور بہانہ بناتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اللہ کرے) ایسا ہی ہو۔'' چناں چہ اس کے بعد وہ کبھی داہنے ہاتھ سے کچھ نہ کھا سکا۔

(صحیح مسلم : 2021/107)

❊ دس ذوالحجہ کو قربانی کی جاتی ہے۔ قربانی کا اصل اور مشروع طریقہ ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کی جائے۔ اگر کوئی آدمی عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کرے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔ اسے حکم ہے کہ وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ)) ''جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کیا، وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔'' (صحیح البخاری : 5561)

بظاہر دیکھا جائے تو قربانی کا جانور، عید کے دن ہی ذبح کیا جارہا ہے اس کی قربانی درست ہونی چاہیے۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے برعکس نماز عید کے بعد ذبح کرنے کے بجائے نماز سے پہلے ذبح کرنے کی بنا پر یہ قربانی درست نہیں۔

سیّدنا جندب بن سلیمان البجلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ قربانیاں کیں۔ کچھ لوگوں نے عید سے پہلے جانور ذبح کر لیے تھے۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى)) ''جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرلیا، وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔''

(صحیح البخاری : 5500)

❊ جانور ذبح کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کے الفاظ کہنا مشروع ہے۔

(صحیح مسلم : 1966)

لیکن اگر کوئی آدمی ان مشروع کلمات کو چھوڑ کر جان بوجھ کر ان کے بجائے سورۃ الفاتحہ،

سورۃ البقرہ یا اس سے بھی زیادہ قرآن پڑھ کر جانور ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

الغرض اس آیت کریمہ میں اسلام کا انتہائی اہم اصول اور ایمان کا اہم ترین ضابطہ بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں اور ان کے آگے نہ بڑھیں شریعت سازی سے بچیں جتنا بتا دیا گیا ہے بس اتنا ہی کرتے رہیں۔

احکام و مسائل:

1: مسلمان کو کسی بھی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی یعنی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔

2: مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

3: اللہ اپنے بندوں کی ہر بات کو سنتا اور خوب جانتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے اور اپنے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر سوار تھے۔ اونٹ اَڑیل اور ضدی تھا اور بے قابو ہو کر نبی ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا تو ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے، عبد اللہ! کوئی آدمی نبی ﷺ سے پیش قدمی نہ کرے یعنی آگے نہ بڑھے۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ یہ اونٹ میرے ہاتھ فروخت کر دیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ آپ ہی کا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان سے اونٹ خرید لیا پھر فرمایا: عبد اللہ! اب یہ اونٹ تمھارا ہے۔ تم اسے جیسے چاہو استعمال کرو۔ (صحیح البخاری: ۲٦۱۰)

بارگاہِ رسالت کے آداب

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝﴾

(الحجرات: 2)

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نبی کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے وقت آوازیں بلند کرتے ہو۔ مبادا کہ اس کے نتیجے میں تمھارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔“

اس آیت میں اور اس سے بعد والی آیات میں امت کو بارگاہ رسالت کے آداب سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ کی موجودگی میں بات کرتے وقت اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے پست رکھا جائے اور لوگ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے، چیخ چیخ کر پکارتے ہیں، نبی ﷺ کو اس انداز سے نہ پکاریں، ایسا کرنے سے ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور انھیں اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے سنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہی تھیں اللہ کی قسم! میں خوب جانتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے اور میرے باپ سے بھی زیادہ محبت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ یہ بات انھوں نے دو یا تین مرتبہ دہرائی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے آگے بڑھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کا ارادہ کیا اور فرمایا اری فلاں عورت کی بیٹی! میں کیا سن رہا ہوں کہ تم اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کر رہی ہو؟ (مسند احمد: 275/4)

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو سنا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہو رہی تھی۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور فرمایا تم اپنی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند کر رہی ہو؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غصے کو ٹھنڈا کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس (تمھارے والد) اور تمھارے درمیان بچانے کے لیے آ گیا تھا۔ بعد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوبارہ آئے تو ان دونوں کو ہنستے مسکراتے دیکھا تو عرض کیا، اللہ کے رسول! آپ دونوں نے جس طرح اپنی لڑائی میں مجھے شریک کیا تھا۔ اب آپ اپنی صلح اور خوشی میں بھی مجھے شریک کریں۔ (مسند احمد: 272/4، سنن ابی داود: 4999)

وفد بنی تمیم کی آمد:

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں 9 ھ کے سال کو "عام الوفود" کا نام دیا گیا ہے کہ اس سال بہت سے قبائل کے متعدد وفود کثرت سے مدینہ منورہ آئے تھے، آنے والے وفود میں ایک وفد بنو تمیم کا تھا۔

یہ وفد کئی دن تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔ قیام مدینہ کے دوران میں ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقاتیں ہوئیں اور عام مسلمانوں کے ساتھ میل جول بھی رہا۔ اس دوران میں انھوں نے بہت سی اسلامی تعلیمات حاصل کیں۔

یہ لوگ جب اپنے علاقے کی طرف واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے امیر کے حوالے سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی آراء مختلف ہو گئیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بنو تمیم کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

آیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اللہ کے رسول! آپ قعقاع بن معبد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیں۔ جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ اقرع بن حابس تمیمی حنظلی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے۔ اپنی رائے کے خلاف سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر سکے اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے محض میری مخالفت میں دوسرا نام پیش کیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اختلاف کی تو کوئی بات نہیں میں نے تو محض اپنی رائے دی اور تجویز پیش کی ہے۔ دونوں کی آپس میں تُو تُکار شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ ان کی آوازیں خاصی بلند ہونے لگیں۔ چنانچہ اس حوالے سے قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَيِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرْفَعُوٓاْ أَصْوَٰتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ ٱلنَّبِىِّ وَلَا تَجْهَرُواْ لَهُۥ بِٱلْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَٰلُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ ﴾ (الحجرات: 49/1، 2)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے پیش قدمی نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم کبھی بھی اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں تمھارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے۔'' (صحیح البخاری: 4367)

بنو تمیم کی فضیلت:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کے بارے میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں، میں نے جب سے یہ حدیث سنی ہے، تب سے میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں، وہ باتیں یہ ہیں:

1: ”دجال کے مقابلے میں یہ لوگ میری امت میں سب سے زیادہ سخت ثابت ہوں گے۔“

2: اس قبیلے کی ایک لونڈی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”عائشہ! اسے آزاد کردو۔ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔“

3: اس قوم کے صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے خوشی سے فرمایا: ”یہ میری قوم کے صدقات ہیں۔“ (صحيح البخاري: 4366)

احکام و مسائل:

1: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی موجودگی میں بلند آواز سے باتیں کرنا منع تھا۔

2: آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی آپ کی مسجد میں اور آپ کی قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے باتیں کرنا خلافِ ادب ہے۔

3: جو لوگ اپنی یا کسی بھی دوسرے کی بات یا ذات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور بات سے اونچا سمجھیں ان کے اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔

4: اس میں ان لوگوں کے لیے بھی مقام غور و فکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے سپیکر پر بلند آواز سے شور و غوغا کرتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ③﴾ (الحجرات: 3)

”بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا ہے، انھی کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔“

جو لوگ بارگاہ رسالت کے ادب کو ملحوظ رکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، پیش نظر آیت میں ان کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خاص کر دیا ہے اور آخرت میں ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

☆:......سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہوتا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات کرتے وقت سرگوشی کا سا انداز اختیار کرتے تھے۔ اور ان کی آواز اس قدر پست ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دریافت کرنا پڑتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ (صحیح البخاری : 7302)

☆:......سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آیت ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ . . . الخ﴾ نازل ہوئی تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنے گھر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: میں دوزخی ہو گیا اور نبی ﷺ کی مجلس میں آنا موقوف کر دیا۔ (جب وہ کئی دن تک دکھائی نہ دیئے تو) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''ابوعمرو! ثابت کو کیا ہوا؟ وہ کہاں غائب ہیں؟ کیا وہ بیمار ہیں؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! وہ میرے ہمسائے ہیں۔ مجھے تو ان کے بیمار ہونے کی کوئی اطلاع نہیں۔

اس کے بعد سعد رضی اللہ عنہ ان کے گھر گئے اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کیا، تو ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: ''قرآن کریم کی یہ جو آیت کریمہ نازل ہوئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں میری آواز سب سے بلند ہوتی ہے، اس لیے میں تو جہنمی ہو جاؤں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے ان کی اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں، وہ تو جنتی آدمی ہے۔'' (صحیح مسلم : 119)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر محفوظ (درست) نہیں۔ (یہ کسی راوی کا وہم ہے) کیوں کہ وہ 5 ہجری میں غزوۂ بنی قریظہ سے چند ہی دن بعد وفات پا گئے تھے، جب کہ یہ آیات عام الوفود 9ھ میں بنو تمیم کے وفد کی مدینہ منورہ آمد کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ (تفسیر القرآن العظیم : 645/5) تاہم اصل واقعہ صحیح

ثابت ہے۔ ان شاء اللہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان چلتے پھرتے تھے تو ہم جانتے تھے اور ان کے متعلق (بشارت نبوی کی روشنی میں) ہمارا یہی خیال تھا کہ وہ (ان شاء اللہ) جنتی ہیں۔ جنگ یمامہ کے دن جب ہم پر شکست طاری ہونے لگی تو سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے۔ وہ حنوط (ایک خوش بو جو خاص طور پر فوت شدگان کو غسل دینے کے بعد لگائی جاتی ہے) لگائے ہوئے اور کفن زیب تن کیے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: تم اپنے مدمقابل دشمن کو اپنے اوپر غالب ہونے کا موقعہ دے رہے ہو۔ پھر وہ دشمنوں سے جنگ کرنے لگے تا آنکہ شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ (مسند احمد: 137/4۔ صحیح مسلم: 119)

☆:......سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا: اسلام لانے کے بعد اگر میں صرف حجاج کو پانی پلاؤں اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے کہا: اگر اسلام لانے کے بعد میں صرف مسجد حرام کو آباد کروں اور اس کے سوا اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تیسرے نے کہا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تمھاری کہی ہوئی عبادتوں سے افضل ہے۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس آواز اونچی نہ کرو۔ اس دن جمعہ تھا، میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور جس مسئلہ میں تمھارا اختلاف ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کروں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة: 19): ''کیا تم حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟'' (صحیح مسلم: 1879)

☆:......سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی میں نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ

نے فرمایا: یہ سامنے جو دو شخص ہیں انھیں میرے پاس لاؤ۔ میں انھیں آپ کے پاس لایا تو آپ نے پوچھا: تمھارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ یا پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیے بغیر نہ چھوڑتا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟ (صحیح البخاری: 470)

رسول اللہ ﷺ کا ادب و احترام آپ کی وفات کے بعد آپ کی مسجد میں اور آپ کی قبر کے پاس اتنا ہی ضروری ہے جتنا آپ کی زندگی میں ضروری تھا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

(النور: 63/24)

''ایمان والو! تم اللہ کے رسول کو اس طرح مت بلاؤ، جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

احکام ومسائل

1. رسول اللہ ﷺ کے ادب، تعظیم اور احترام وتکریم کا تقاضا ہے کہ آپ کی موجودگی میں لوگ آپس میں یا آپ کے ساتھ ہم کلام ہوں تو وہ اس بات کا اہتمام کریں کہ ان کی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔
2. نبی ﷺ کے ساتھ ہم کلام ہوتے وقت وقار اور شائستگی کو ملحوظ رکھا جائے۔
3. لوگ آپس میں باتیں کرتے وقت جس طرح ایک دوسرے کا نام لے لے کر اور بلند آواز سے بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں، نبی ﷺ کے ساتھ اس انداز میں بات کرنا ممنوع ہے۔
4. جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کا ادب ملحوظ رکھنا لازم تھا۔ بعد از وفات بھی

اسی طرح آپ کا ادب ضروری ہے۔

5 نبی ﷺ کی ذات کے ساتھ ساتھ آپ کے ارشادات وفرمودات بھی قابل تکریم ہیں۔

6 اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے عمداً بلند کرنے اور اپنی رائے اور بات کو نبی ﷺ کے ارشاد سے برتر سمجھنے والے کے تمام اعمال ضائع (برباد) ہو جاتے ہیں۔

7 جو لوگ نبی ﷺ کے ادب کو ملحوظ رکھتے، اور اپنی آوازوں کو آپ کی آواز سے پست رکھتے ہیں، ایسے لوگ قابل تعریف ہیں، ان کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ (ڈر) ہے اس کی برکت سے ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اور وہ آخرت میں اجر عظیم کے حق دار ہوں گے۔

8 نبی ﷺ کی قبر کے پاس جا کر صلوٰۃ وسلام نہایت ادب سے اور دھیمی آواز سے پڑھا جائے۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝﴾

(الحجرات : 4، 5)

"بے شک جو لوگ آپ کو (آپ کے) حجروں کے باہر سے (دور سے) پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل (بے سمجھ) ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے از خود باہر آنے تک انتظار کر لیتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ تاہم اللہ بہت بخشنے والا، اور بہت رحم کرنے والا ہے۔"

ان آیات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اعرابی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے دیدار اور آپ ﷺ سے جلد ملاقات کے اشتیاق میں آ کر آپ کے حجروں کے باہر کھڑے ہو کر زور زور سے آپ کو پکارنا اور بلانا شروع کر دیا۔ آپ کے آرام کا خیال نہ رکھا اور نہ آپ کے از خود باہر آنے کا انتظار کیا۔

ان کا آپ ﷺ کی زیارت اور دیدار کا شوق اپنی جگہ، تاہم یہ انداز شائستگی اور وقار کے خلاف تھا۔ اس لیے ان آیات میں ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے اپنی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی اور انھیں بے عقل کہا گیا۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ سیّدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو حجروں کے پیچھے کھڑے ہوکر یوں آواز دی: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، لیکن آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر پکارا اور کہا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلا إِنَّ حَمْدِیْ زَیْنٌ وَإِنَّ ذَمِّيْ شَیْنٌ ''اے اللہ کے رسول! میں کسی کی مدح کروں تو یہ اس کے لیے قابل فخر ہوتی ہے اور میں کسی کی مذمت کروں تو یہ اس کے حق میں بدنمائی ہوتی ہے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ذَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ'' ''یہ شان تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔'' (مسند احمد : 488/3۔ 393/4۔ 394۔ **نوٹ**: ......ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا سیّدنا اقرع رضی اللہ عنہ سے سماع محل نظر ہے۔ حافظ ابوالفضل عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا اقرع رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔ دیکھیے: المغنی عن حمل الأسفار 935/2، الشاملہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوسلمہ کی اقرع رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہے۔ تعجیل المنفعة: ص : 318، الشامله)

احکام ومسائل:

نبی ﷺ کے ادب کا تقاضا ہے کہ آپ کو دور سے اور بلند آواز سے نہ پکارا جائے۔ ایسا کرنے والے بے عقل، بے سمجھ اور بے شعور لوگ ہیں۔

خبر کی تحقیق

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝﴾ (الحجرات: 6)

''ایمان والو! اگر کوئی ناقابل اعتماد یا غیر ذمے دار قسم کا آدمی تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو (اس پر عمل کرنے سے پہلے) خوب چھان بین کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم بے خبری میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر (بعد میں حقیقت واضح ہونے پر) تمھیں پشیمانی ہو۔''

مفسرین کا بیان ہے کہ یہ آیت سیّدنا ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، انھوں نے فتح مکہ کے موقعے پر اسلام قبول کیا تھا۔ سیّدنا حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور میں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔ آپ نے مجھے بتلایا کہ اسلام میں زکوٰۃ فرض ہے۔ میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اپنے قبیلے میں واپس جا کر انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور انھیں زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی کہوں گا۔ جو لوگ میری دعوت قبول کرلیں گے، میں ان سے زکوٰۃ وصول کر کے جمع کر رکھوں گا۔ میں جب زکوٰۃ جمع کرلوں تو آپ ان دنوں اپنا کوئی نمائندہ میرے پاس بھیج دینا تاکہ وہ مجھ سے ساری زکوٰۃ وصول کر کے آپ تک پہنچا دے۔

حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی دعوت قبول کرنے والوں نے زکوٰۃ جمع کرلی۔ جب وہ مدت پوری ہوئی، جن دنوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نمائندہ روانہ کرنا تھا، اسے کسی وجہ سے دیر

ہوگئی اور وہ ان دنوں نہ جاسکا۔ تو حارث رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں اپنا نمائندہ بھیجنا تھا تاکہ وہ ہم سے ہماری زکوٰۃ وصول کر کے آپ تک پہنچا دے۔ آپ وعدہ خلافی کرنے والے تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے کسی ناراضی کی وجہ سے نمائندہ نہ بھیجا ہو۔

چلو ہم خود مدینے جا کر ملاقات کر آئیں۔ اِدھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدے کے مطابق سیّدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے راستے میں ان لوگوں کو آتے دیکھا تو انھیں غلط فہمی ہوئی اور وہ ڈر گئے کہ یہ لوگ تو مجھ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اس نے جلدی سے مدینے پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حارث رضی اللہ عنہ اور اس کی قوم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ تو مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر ایک دستہ تیار کر کے ان کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔

اس کے بعد حارث رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''حارث! تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے نمائندے کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔'' تو حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے تو اسے دیکھا تک نہیں، نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے، میں تو آج ہی آ رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول کا نمائندہ ہمارے پاس نہیں پہنچا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اللہ کے رسول مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد، 279/4، شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ھذا إسناد صحیح۔ السلسلة الصحیحة : 234/7)

اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح ایک غلط فہمی کی وجہ سے جنگ کے حالات پیدا ہو گئے وہ تو اللہ کا فضل ہوا کہ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔

اس نازک موقعے پر جب کہ ایک بے بنیاد خبر پر اعتماد کر لینے کی وجہ سے ایک خوف ناک حادثہ رونما ہوتے ہوتے رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ اصول اور ضابطہ مقرر فرما دیا کہ جب

بھی کوئی آدمی کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی بات پر عمل درآمد کرنے سے پہلے خبر کی صداقت کی تسلی اور اطمینان کر لیا کرو۔

احکام و مسائل:

①:...... جب کوئی آدمی ہمارے پاس کوئی خبر لائے یا ہمیں کسی بات کی اطلاع دے تو اس کی بات کو تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ بات پہنچانے والا آدمی کس معیار کا ہے؟ اگر وہ قابل اعتماد اور ذمے دار ہو تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے اور اگر وہ غیر معتبر ہو تو اس کے متعلق اس کی بات پر عمل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

مثلاً: انسان کسی کے دروازے پر جا کر دستک دے اور کوئی بے سمجھ بچہ آ کر کہے کہ آپ اندر آ جائیں تو اس پر اس وقت تک عمل نہیں کرنا چاہیے جب تک کہ کوئی سمجھ دار اور ذمے دار آدمی آ کر اندر آنے کی اجازت نہ دے دے۔

②:...... اس آیت سے مستنبط ہونے والے ضابطے کی روشنی میں علماء اسلام نے علم الجرح والتعدیل وضع کر کے اس کے اصول مقرر کیے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں صرف قابل اعتماد راویوں کی بیان کردہ احادیث کو قبول کیا جاتا ہے اور جو راوی قابل اعتماد نہ ہو، اس کی بیان کردہ حدیث کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اسی لیے محدثین نے مجہول الحال اور مستور الحال راوی کی روایت کو غیر معتبر کہا ہے کیونکہ ایسے راوی کی حقیقت معلوم اور واضح نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ وہ راوی فاسق، غیر معتبر اور غیر ذمے دار ہو۔

اہل ایمان کا شیوہ

﴿ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۟ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (الحجرات : 7، 8)

"اور تم خوب جان رکھو کہ اللہ کا رسول تمھارے درمیان موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمھاری بات مان لیا کرے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے مگر اللہ نے ایمان کو تمھاری نظر میں محبوب اور تمھارے لیے دل پسند بنا دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تمھیں متنفر کر دیا ہے۔ اللہ کے فضل و احسان سے ایسے لوگ ہی راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کمال علم و حکمت والا ہے۔"

نبی ﷺ پر ایمان اور اس کے مقام و مرتبے کا تقاضا ہے کہ لوگ نبی ﷺ کی اطاعت و اتباع کیا کریں۔ نبی ﷺ سے اپنی بات منوانا اور انھیں اپنے پیچھے لگانا ایمان کے منافی ہے۔ اگر ایسا ہو تو لوگ مشکلات میں پڑ جائیں گے۔

اس آیت کے ابتدائی الفاظ ﴿ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ ﴾ کا خطاب ان لوگوں سے ہے جو قبیلۂ بنی المصطلق پر چڑھائی کر دینے کے لیے اصرار کر رہے تھے۔

﴿ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ میں عام صحابہ سے خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی رائے کے اظہار کی جسارت کبھی نہیں کرتے تھے۔

اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جن لوگوں نے اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے بنوالمصطلق پر

حملے کا اصرار کیا تھا، ان کے دل ایمان یا نبی ﷺ کی محبت سے خالی تھے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ پیش آمدہ صورتِ حال کی بنا پر ایمان کے اس تقاضے کی طرف سے ان کو ذہول ہوگیا تھا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے انھیں ان کی غلطی اور اس کے انجام پر تنبیہ کی اور پھر بتلایا کہ صحیح ایمانی روش وہ ہے جس پر عام صحابہ کی جماعت قائم ہے۔

سیدنا رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکین مدینے سے مکہ کو لوٹ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جمع ہوجاؤ اور سیدھے ہوکر بیٹھ جاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ کی خوب حمد وثناء کی، پھر آپ نے یوں دعا کی:

((اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اَللّٰهُمَّ! لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَا أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اَللّٰهُمَّ! ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ وَرِزْقِكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّیْ أَسْأَلُكَ النَّعِيْمَ الْمُقِيْمَ الَّذِيْ لَا يَحُوْلُ وَلَا يَزُوْلُ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّیْ أَسْأَلُكَ النَّعِيْمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا، وَمِنْ شَرِّ مَا مَنَعْتَ، اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِيْ قُلُوْبِنَا، وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ، اَللّٰهُمَّ! تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ، إِلٰهَ الْحَقِّ)). (مسند الإمام أحمد 424/3، الأدب المفرد، ح: 699، السنن الكبرىٰ للنسائي، ح: 10370، وصححه الحاكم: 23/3، 24 ووافقه الذهبي)

”یا اللہ! ہر قسم کی تعریف کا تو ہی حق دار ہے۔ یا اللہ! تو جس چیز کو پھیلا دے، کوئی اسے لپیٹ نہیں سکتا، اور تو جسے لپیٹ دے، کوئی اسے کھول یا پھیلا نہیں سکتا۔ تو جسے گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور جسے تو ہدایت سے نواز دے، کوئی اسے گمراہ نہیں کرسکتا۔ تو جسے کسی نعمت سے محروم کردے، اسے وہ نعمت کوئی بھی نہیں دے سکتا، اور تو جسے کوئی نعمت عطا کردے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور تو جسے دور کردے، کوئی اسے قریب نہیں کرسکتا، اور تو جسے قریب کرے، کوئی اسے دور نہیں کرسکتا۔ یا اللہ! تو اپنی برکتوں، رحمتوں، فضل اور وافر رزق سے ہمیں نواز دے۔ یا اللہ! میں تجھ سے تیری ایسی دائمی نعمتوں کی درخواست کرتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہوں۔ یا اللہ! میں تجھ سے تنگی والے دن میں تیری نعمتوں کا، اور خوف والے دن میں امن کا طلب گار ہوں۔ یا اللہ! تو نے ہمیں جن نعمتوں سے نوازا ہے، میں ان کے شر سے، اور تو نے ہمیں جو کچھ نہیں دیا، ان کے شر سے یعنی برے انجام سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یا اللہ! تو ایمان کو ہماری نظروں میں محبوب اور دل پسند بنادے اور کفر وفسوق اور نافرمانی سے ہمیں متنفر کردے۔ اور ہمیں رشد و ہدایت کے حاملین میں شامل کردے۔ یا اللہ! تو ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم مسلمان ہوں، ہمیں اسلام پر زندہ رکھ، ہمیں شرمندگی اور آزمائشوں سے بچا کر ہمیں نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ یا اللہ! کافر لوگ جو تیرے رسولوں کی تکذیب کرتے اور تیری راہ سے روکتے ہیں، ان کو تباہ کردے، ان پر اپنی سزا اور عذاب نازل فرما۔ یا اللہ! اے سچے الٰہ! ان کافروں کو ہلاک کردے جو اہل کتاب ہیں۔“

پیش نظر آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو باور کرایا ہے کہ اس نے ان کے لیے ایمان کو محبوب اور دل پسند بنادیا اور انھیں کفر وفسق اور نافرمانی سے متنفر کردیا ہے۔ تو یہ ان پر اس کا خاص فضل اور رحمت ہے۔ وہ جس کو بھی اس نعمت سے نوازتا ہے، وہ اپنی حکمتِ بالغہ اور اس علم کی بنا پر دیتا ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔

مسلمانوں میں صلح کروانا

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۹﴾﴾

(الحجرات : 9)

”اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والے سے یہاں تک لڑو کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں نہیں فرمایا کہ: ”جب اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو......“ بلکہ فرمایا کہ ”اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو......“

ان الفاظ اور طرز تخاطب سے معلوم ہوا کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا وطیرہ نہیں۔ البتہ اگر کبھی کسی غلط فہمی یا مخالف کی سازش کے سبب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو باقی غیر جانب دار لوگوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اس آیت میں بیان کردہ طریق کار کے مطابق لڑنے والے گروہوں کے مابین صلح کرادیں۔ مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور اختلاف کرنا اس قدر مذموم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ)) ''مسلمان کو گالی دینا گناہ کا کام اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

(صحيح البخاري، ح : 48)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اہم ترین خطبے میں بھی ارشاد فرمایا: ((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) ''تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو یعنی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔'' (صحيح البخاري، ح : 1739) یاد رہے کہ ان احادیث میں لفظ ''کفر'' اس عمل کی ازحد مذمت کے اظہار کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہاں یہ لفظ کبیرہ گناہ کے معنی میں ہے۔

خوارج کی تردید:

خوارج اور معتزلہ دو گمراہ گروہ ہیں۔ دین کے معاملے میں یہ دونوں گروہ بہت زیادہ متشدد ہیں۔ ان کا اور بعض دوسرے گروہوں کا نظریہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا آدمی دائرۂ ایمان سے نکل جاتا ہے اور ابدی جہنمی ہے۔ قرآن وحدیث کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ نظریہ درست نہیں۔

زیر مطالعہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپس میں لڑنے والے گروہوں کو مومن کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا آپس میں لڑائی کرنا اگرچہ مذموم اور کبیرہ گناہ ہے تاہم وہ مومن ہی رہتے ہیں اور اسلام وایمان سے نہیں نکل جاتے۔

امام المحدثین وسید الفقہاء محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ اس بات کو ''كفر دون كفر'' سے تعبیر کرتے ہیں کہ کفر کے بہت سے مدارج ہیں، ہر گناہ کسی نہ کسی درجے میں کفر ہی ہوتا ہے، تاہم کسی بھی گناہ گار کو بالکلیہ کافر یعنی ایمان واسلام سے خارج نہیں کہا جا سکتا۔ (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب : 21)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((رَأَيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ)) ''میں نے جہنم کو دیکھا تو اس میں زیادہ تعداد عورتوں کی

تھی، کیوں کہ وہ کفر کرتی ہیں۔'' دریافت کیا گیا کہ کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ ، وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ ، لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ)) ''نہیں، بلکہ وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ کفر کرتی ہیں یعنی ان کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموش ہیں۔ وہ یوں کہ تم اگر طویل عرصے تک ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو اور پھر کبھی وہ تمھاری طرف سے کوئی ایک ناروا یا ناپسندیدہ بات دیکھیں تو کہتی ہیں کہ میں نے تو تمھاری طرف سے کبھی کوئی اچھائی دیکھی ہی نہیں۔'' (صحيح البخاري، ح: 29)

گویا اس حدیث میں شوہر کے احسانات اور حسن سلوک کے انکار کو ''کفر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالاں کہ یہ عمل حقیقی کفر نہیں بلکہ گناہ ہونے کی بنا پر کفر کا ایک درجہ ضرور ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کفر دون کفر'' کی طرح ''ظلم دون ظلم'' کی اصطلاح بھی ذکر کی ہے کہ جس طرح کفر کے بہت سے درجے اور مراتب ہیں، اسی طرح ظلم یعنی گناہ کے بھی بہت سے مدارج ہیں۔ (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب :23)

کسی مسلمان کو قتل کرنا بلکہ قتل کا ارادہ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہونے کی وجہ سے اللہ کی ناراضی اور دخولِ جہنم کا سبب ہے۔ جناب احنف بن قیس کا بیان ہے کہ جن دنوں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین کشمکش جاری تھی تو میں گھر سے چلا، تا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ میں حصہ لوں۔ راستے میں میری سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کہاں کے ارادے ہیں؟ میں نے بتلایا کہ میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت و نصرت کے لیے جارہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ آگے جانے کے بجائے یہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے ((إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ)) ''جب دو مسلمان (افراد یا فریق) تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مدمقابل آتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں کا انجام جہنم ہے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! قاتل تو جہنمی ہوا۔ مقتول کیوں

کر جہنمی ہوا؟ (وہ تو مظلوم ہے) فرمایا: ((إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ)) ”اس کی خواہش بھی دوسرے کو قتل کرنے کی تھی۔“ (صحيح البخاري، ح: 31)

مذکورہ بالا ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو آپس میں لڑائی جھگڑے سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے۔ تاہم اگر کبھی کسی غلط فہمی یا کسی بھی دوسری وجہ سے ان کے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو باقی مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے درمیان صلح کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر صلح کی فضیلت اور مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: 128)

”بہر حال صلح کر لینا (اور کرانا) بہتر اور بابرکت ہے۔“

اور اگر فریقین میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی کرے اور صلح پر آمادہ نہ ہو تو غیر جانب دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے باغی فریق سے لڑائی کریں اور لاتعلق ہو جائیں، تا آنکہ وہ اصول شریعت کی روشنی میں صلح کرنے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن کریم نے صلح کرانے والوں کو بھی پابند کیا ہے کہ وہ صلح کراتے وقت عدل کے ضابطوں سے تجاوز نہ کریں۔ عدل و انصاف اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

عدل و انصاف کی اہمیت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (النحل: 90)

”بے شک اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کو) عدل و انصاف اور احسان یعنی حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عدل کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمھارے سامنے تمھارا کوئی دشمن یا مخالف بھی ہو تو اس کی دشمنی یا مخالفت تمھیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے اور ہر حال میں انصاف کا دامن تھامے رہو۔ چناں چہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المائدة : 8)

”اور کسی قوم کی دشمنی اور مخالفت تمھیں ناانصافی پر آمادہ نہ کرے تم (ہر حال میں) انصاف کرو۔ یہ (صفت) تقویٰ کے انتہائی قریب ہے۔“

درحقیقت انصاف کرنا بہت مشکل اور دل گردے کا کام ہے۔ بعض اوقات انسان کو اپنے رشتے داروں اور قریبی لوگوں کے خلاف بھی فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ ایسے مواقع پر رشتے داری اور تعلق داری کی بنا پر بہت سے لوگ حق و انصاف سے عدول کر جاتے ہیں۔ جب کہ حق و انصاف پر قائم رہتے ہوئے صحیح اور درست فیصلہ کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (الأنعام : 152)

”اور تم جب کوئی بات (فیصلہ) کرو تو عدل کو پیش نظر رکھو خواہ تمھیں اپنے کسی رشتے دار کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے۔“

چوری کرنے والی عورت کا واقعہ:

اللہ کے رسول ﷺ سب سے بڑھ کر عدل کرنے والے تھے۔ آپ کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ بنو مخزوم قبیلے کی ایک خاتون نے چوری کر لی۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس عورت کے خاندان کے لوگوں نے کوشش کی کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اس سلسلے میں کوئی بھی آدمی رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ لوگوں نے مشورہ کیا کہ آپ کے محبوب سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لیے بھیجا جائے۔ انھوں نے جا کر سفارش کی کہ اس عورت کی سزا میں ترمیم و تخفیف کر دی جائے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو شدید غصہ آ گیا۔ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ؟)) ”(اسامہ!) کیا تم اللہ کی مقرر کردہ حدود میں

سے ایک حد (کو نافذ نہ کرنے کے سلسلے) میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے عام مجمع میں خطبہ ارشاد فرمایا کہ ((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ ، وَايْمُ اللّٰهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) ''تم سے پہلی امتیں اسی لیے تباہ ہوئی تھیں کہ ان میں سے اگر کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی غریب یا کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کردیتے تھے اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (صحیح مسلم، ح: 1688)

آخرت میں عدل وانصاف کی فضیلت:

جو لوگ دنیا میں عدل کرتے اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، آخرت میں انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں خصوصی اعزاز سے نوازا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ الْمُقْسِطِينَ ، عِنْدَ اللّٰهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا)) ''عدل وانصاف کرنے والے اللہ کے ہاں رحمٰن عزوجل کی داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں، اپنے اہل وعیال اور جن کے یہ ذمہ دار ہیں ان کے معاملے میں عدل کرتے ہیں۔'' (صحیح مسلم، ح: 1827)

احکام ومسائل:

① اہل ایمان کے دو گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرادینی چاہیے۔

② اگر ان میں سے کوئی گروہ صلح پر آمادہ نہ ہو تو صلح کرانے والوں اور غیر جانب دار لوگوں کا فرض ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے باغی گروہ سے لڑائی کریں۔ تا آنکہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے۔

③ صلح پورے خلوص اور عدل وانصاف سے کرائی جائے۔ اس میں کسی بھی فریق کی جانب،

داری نہ کی جائے۔

④: اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا اور انھیں پسند کرتا ہے۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ ﴾ (الحجرات: 10)

''تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''

اخوت:

پیش نظر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو کلمے اور دین کی بنیاد پر ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد تمام اہل اسلام اور اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے اور بھائیوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک دوسرے کے ساتھ اخوت اور محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ﴾ (آل عمران: 103)

''اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ (قبل از اسلام) تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اب اس نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی بن چکے ہو۔''

عمارت کی مثال:

اخوت اور بھائی چارے کی بنا پر ہر مسلمان دوسرے کا خیر خواہ اور اس سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل ایمان کو ایک عمارت کی مانند قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''ایک مومن کا دوسرے مسلمان کے ساتھ تعلق ایک عمارت کی مانند ہے، جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔'' پھر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ تمام مسلمانوں کو بھی آپس میں اس طرح باہم

وابستہ و پیوستہ ہونا چاہیے۔ (صحيح البخاري : 6026، صحيح مسلم : 2585)

ایک اور مثال:

اہل ایمان کا آپس میں اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ کس قدر اہم اور مضبوط ہے کہ پیغمبر اسلام نے اسے ایک اور شاندار مثال دے کر مزید واضح فرمایا ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل ایمان کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت و شفقت کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف یا درد ہو تو جاگنے اور بخار کو برداشت کرنے میں سارا جسم اس کا ساتھ دیتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 6011، صحيح مسلم : 2586)

اسی حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ وہ نہ تو خود کسی مومن بھائی پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر ظلم کے حوالے ہی کرتا ہے۔ چناں چہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو خود کسی مسلمان پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر ظلم کے حوالے ہی کرتا ہے جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ اس کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری فرماتا ہے اور جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی پریشانی کو حل کرتا اور دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور کرے گا اور جو کوئی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے گا۔'' (صحيح البخاري : 2442)

ہر حال میں مسلمان کی مدد کی جائے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حوالے سے مزید فرمایا کہ تمھارا مسلمان بھائی ظالم ہو یا مظلوم، ہر حال میں اس کی مدد کرو۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مظلوم بھائی کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟ فرمایا: ''اس کا ہاتھ روکنا (تا کہ وہ کسی

پر ظلم کر کے اپنی عاقبت کو خراب اور نامہ اعمال کو سیاہ نہ کرے)۔'' (صحيح البخاري: 2444)

جس طرح ایک آدمی اپنے رشتے دار بھائی کے ساتھ محبت کرتا اور خیر خواہی کا رویہ اپناتا ہے، اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ وہ ہر مسلمان کے ساتھ اسی انداز سے محبت اور خیر خواہی کرے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ ایک آدمی کوئی چیز خرید رہا ہو اور تمھارا اس چیز کو خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر اس چیز کی قیمت نہ بڑھاؤ، تاکہ اسے وہ چیز مہنگی ملے۔ آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے اعراض نہ کرو اور منہ نہ موڑو۔ کوئی آدمی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی پر نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ اس کی مدد کرنا ترک کرتا ہے۔ نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔'' پھر آپ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا کہ تقویٰ یہاں (دل میں) ہے۔ انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔'' (صحيح مسلم: 2564)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا جس طرح ایک بھائی دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے، اسی طرح ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ جس طرح بھائیوں کی آپس میں محبت ہوتی ہے، تمام اہل ایمان کو آپس میں اسی طرح خلوص و محبت سے پیش آنا چاہیے۔

احکام و مسائل:

1: تمام اہل ایمان اور مسلمان کلمے اور دین کی بنیاد پر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

2: اگر دو مسلمان بھائیوں یا فریقین میں کسی وجہ سے ناراضی ہو جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے اصولوں کے تحت صلح کرائی جائے۔

3: صلح کرانے والے لوگ غیر جانب داری کا مظاہرہ کریں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے صلح کرائیں۔

معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والے امور سے اجتناب

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (الحجرات : 11)

”اے ایمان والو! کوئی قوم (یعنی مرد) کسی قوم (دوسرے مردوں) کا مذاق نہ اڑائے، (کیونکہ) ممکن ہے کہ (جن کا مذاق اڑایا جائے) وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں۔ اور (اسی طرح) عورتیں عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ممکن ہے کہ (جن عورتوں کا مذاق اڑایا جائے) وہ ان (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں۔ اور تم آپس میں ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کیا کرو اور ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارا کرو۔ ایمان لے آنے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بری بات ہے اور جو لوگ ان کاموں (باتوں) سے باز نہ آئے، وہ بڑے ظالم ہیں۔“

مذاق:

مذاق سے مراد ہے کسی کو اپنے سے کمتر اور حقیر جانتے ہوئے اس کا استہزاء اور تضحیک کرنا۔ مذاق اڑانا صرف زبان ہی سے ممنوع نہیں بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اس کی طرف اشارے کرنا، کسی کی بات، کام، انداز تکلم، شکل وصورت اور لباس پر ہنسنا یا اس کے کسی عیب یا جسمانی نقص کی طرف لوگوں کو اس انداز سے توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں، یہ سب مذاق

اڑانے کی صورتیں ہیں۔

اصل ممانعت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی کسی بھی طور پر تضحیک نہ کرے، کیوں کہ اس میں اپنی برتری اور دوسرے کی تذلیل و تحقیر کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں، جو کہ اخلاقاً سخت معیوب حرکت ہے۔ مزید برآں اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے جس سے معاشرے میں فساد رونما ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

تحقیر کی ممانعت:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا پستہ قامت تھیں۔ ایک دفعہ میں نے ان کے پستہ قد ہونے کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کہ آپ کے لیے تو صفیہ رضی اللہ عنہا کا پستہ قد ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی ان کے پستہ قامت ہونے کے باوجود آپ انھیں پسند فرماتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے یہ ایسی کڑوی اور بدبودار بات کہہ دی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو وہ کڑوا بدمزہ ہو جائے۔''

نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی نقل اتاری تو آپ نے فرمایا: ''میں کسی کی نقل اتارنے کو پسند نہیں کرتا۔ خواہ مجھے کتنا ہی مال کیوں نہ دیا جائے۔'' (سنن أبي داود: 4875، وسنده صحيح)

معلوم ہوا کہ کسی کی فطری خلقت پر عیب لگانا، تمسخر کرنا اور ٹھٹھا کرنا حرام ہے۔ یہ درحقیقت اللہ عزوجل کی تخلیق پر عیب لگانا اور اپنی بڑائی کا اظہار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔'' (صحیح مسلم: 2564) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو حقیر جاننے کو تکبر سے تعبیر فرمایا ہے۔

تکبر کی مذمت:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوا، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول!

کوئی آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو، اس کے جوتے بہت اچھے ہوں (تو کیا یہ تکبر کے زمرے میں آتا ہے)؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خود جمیل (خوب صورت) ہے۔ وہ جمال (خوب صورتی) کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق کو ٹھکرا دے اور دوسروں کو خود سے کم تر اور حقیر سمجھے۔'' (صحیح مسلم: 91)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی بہت خوب صورت تھا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے خوب صورتی پسند ہے اور یہ مجھے اللہ کی طرف سے عطا بھی کی گئی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی کے جوتے کا تسمہ بھی میرے تسمے سے زیادہ اچھا ہو۔ کیا یہ جذبہ تکبر اور بڑائی میں تو نہیں آتا؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' (سنن أبي داود: 4092، المستدرك للحاكم: 181/4، 182 وصححه، ووافقه الذهبي)

ایذا رسانی کی حرمت:

اپنی زبان یا ہاتھ سے کسی کی تضحیک کر کے اس کی دل آزاری کرنا ایمان کے منافی ہے۔
سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (صحیح البخاري: 10)

لہٰذا پیش نظر آیت اور مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کسی بھی مرد یا عورت کو تضحیک کا نشانہ بنائے۔

مزاح:

مذاق میں دوسرے کی تضحیک، تحقیر اور استہزاء کا عنصر پایا جاتا ہے اور اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے اور مذاق کرنے والا تکبر کا مریض ہوتا ہے۔۔ اس لیے ایسا کرنا مذموم اور حرام ہے۔ البتہ اس کے بالمقابل ایک عمل ''مزاح'' ہوتا ہے۔ اس میں انسان کسی وقت کوئی ہلکی پھلکی کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جس سے محفل میں خوش گوار ماحول پیدا ہو جاتا

ہے اور جس سے وہ بات کہی جائے، اس کی دل آزاری بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ یک گونہ فرحت محسوس کرتا ہے۔ ہنسی مذاق اور خوش طبعی انسانی مزاج کا لازمہ ہے۔ اس سے طبیعت میں بشاشت آ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہلکا پھلکا مزاح کر لیا کرتے تھے:

❁:...... سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے تو ہمارے ساتھ خوب گھل مل جایا کرتے تھے۔ میرے چھوٹے بھائی نے "نُغَیر" (ممولا یا بلبل کی قسم کا) ایک پرندہ پالا ہوا تھا۔ وہ مر گیا تو میرا بھائی افسردہ رہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس طرح غمگین دیکھا تو فرمایا: ((يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟)) "ابوعمیر! تمھارے نغیر نے کیا کیا۔" (صحيح البخاري : 6129)

❁:...... سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا: "ہم تجھے اونٹنی کا بچہ دے دیتے ہیں۔" وہ بولا: (مجھے تو سواری کے لیے اور وزن لادنے کے لیے اونٹ کی ضرورت ہے) اونٹنی کے بچے کا میں کیا کروں گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اونٹ بھی تو (اصل کے لحاظ سے) اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔" (سنن أبي داوٗد : 4998، جامع الترمذي : 1991، وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب)

❁:...... سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مجھے بلاتے ہوئے فرمایا: ((يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ؟)) "اے دو کانوں والے۔" (سنن أبي داوٗد : 5002، المعجم الكبير للطبراني: 662 وسنده حسن)

❁:...... سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ میری آنکھیں دُکھتی تھیں۔ آپ کے سامنے روٹی اور کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "قریب آ جاؤ اور تم بھی کھاؤ۔" میں کھجوریں کھانے لگا تو آپ نے فرمایا: "تم کھجوریں کھا رہے ہو؟ تمھاری تو آنکھیں دُکھتی ہیں۔" میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں دوسری طرف سے چبا رہا ہوں۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیے۔ (سنن ابن ماجه : 3443 وصححه

الحاكم : 399/3، ووافقه الذهبي)

❁:......سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص جس کا نام ''زاہر'' تھا، وہ دیہات سے نبی ﷺ کے لیے تحفہ لاتا تھا، جب وہ واپس جانے کا ارادہ کرتا تو نبی ﷺ بھی اسے تحائف دیتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اس سے محبت کرتے تھے حالاں کہ وہ شخص خوبصورت نہیں تھا، ایک دن وہ اپنا سامان بیچ رہا تھا کہ نبی ﷺ تشریف لے آئے آپ نے اس کے پیچھے سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے وہ آپ کو دیکھ نہیں پا رہا تھا، لہٰذا کہنے لگا: یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے۔ پھر جب اس نے چہرہ پھیرا تو نبی ﷺ کو پہچان لیا اور اپنی پشت آپ کے سینے سے ملانے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس غلام کو کون خریدے گا؟'' تو اس آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! آپ مجھے بہت کم قیمت سودا پائیں گے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''لیکن تم اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں ہو۔'' یا فرمایا کہ ''تم اللہ کے نزدیک بہت قیمتی ہو۔'' (الشمائل للترمذي : 238، وسنده صحيح)

❁:......سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے اپنی زبان باہر نکالتے، بچہ آپ کی سرخ زبان دیکھتا تو جلدی سے ادھر متوجہ ہو جاتا۔ (أخلاق النبي لأبی الشيخ : 184، شرح السنه للبغوي، 180/13 واسناده حسن)

معلوم ہوا کہ دوسروں کی تضحیک اور استہزاء منع ہے۔ البتہ محض دل لگی اور خوش مزاجی کا موڈ ہو تو ہلکا پھلکا مزاح کرنے کی اجازت ہے۔

﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات: 11)

''اور تم ایک دوسرے پر طعنہ زنی نہ کرو۔''

کسی پر اس کے رنگ، جسامت اور نسب وغیرہ کے حوالے سے طنز اور طعن کرنا منع ہے۔ اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے۔ صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان (اور لوگ) محفوظ رہیں۔ (صحيح البخاري : 10)

معرور رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری ربذہ کے مقام پر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

انھوں نے اور ان کے غلام نے (ایک جیسا) شان دار لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ مجھے اس پر تعجب ہوا تو میں نے ان سے اس بارے میں پوچھ ہی لیا تو انھوں نے کہا کہ میرا ایک آدمی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تھا تو میں نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیتے ہوئے کہہ دیا: او کالی کلوٹی عورت کے بچے! نبی ﷺ نے سنا تو فرمایا: ''ابوذر! تم نے اسے اس کی ماں کے کالے رنگ کا طعنہ دیا ہے۔ تمھارے اندر ابھی تک جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ یہ غلام تمھارے خدمت گزار ہیں۔ اللہ نے انھیں تمھارے ماتحت کیا ہے۔ تم میں سے جس کا مسلمان بھائی اس کے ماتحت ہو تو اسے چاہیے کہ جیسا خود کھائے، اسے بھی ویسا ہی کھلائے، جیسا لباس خود پہنے، اسے بھی ویسا ہی پہنائے، اور اس سے اس کی ہمت سے بڑھ کر خدمت نہ لے۔ اور اگر کوئی ایسا کام ہو، جس کے کرنے میں اسے مشقت ہوتی ہو تو اس کام میں اس کے ساتھ تعاون کرے۔''

(صحيح البخاري : 30)

طعن و تشنیع کی مذمت:

طعن و تشنیع کے انجام کے حوالے سے ''سورۃ الھمزہ'' پیش نظر رہنی چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾ (الهمزة : 104/1-9)

''ہلاکت و تباہی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کے رُو بہ رو اور ان کی پیٹھ پیچھے ان پر بہت طعن کرتا اور ان کی برائیاں کرنے کا بہت خوگر ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر (سنبھال سنبھال کر) رکھا۔ اس کا خیال ہے کہ یہ مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! اس کو تو ایسی جگہ دھکیل دیا جائے گا جو اسے چکنا چور کر کے رکھ چھوڑے گی۔ تم کیا جانو کہ وہ چکنا چور کر دینے والی کیسی

جگہ ہوگی۔ وہ تو اللہ کی بھڑکائی ہوئی اور دہکائی ہوئی آگ ہے جو ان کے دلوں تک اثر انداز ہوگی۔ انھیں اس میں دھکیل کر اوپر سے اسے بند کر دیا جائے گا اور یہ لوگ اونچے اونچے بلند و بالا ستونوں جیسی بند جگہ میں گھرے ہوئے ہوں گے۔''

جائز اور ناجائز القاب:

﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ؕ﴾

''اور ایک دوسرے کو ناپسندیدہ القاب سے مت پکارو۔''

اس حکم کا منشا یہ ہے کہ کسی کو ایسے نام یا لقب سے نہ پکارا جائے جو اسے ناگوار گزرتا ہو۔ یا اس سے اس کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ مثلاً: کسی کو فاسق، منافق یا بے ایمان کہنا، کسی لنگڑے، اندھے یا کانے کو لنگڑا، اندھا اور کانا وغیرہ کہنا۔

یا کسی کو اس کے یا اس کی ماں، باپ یا خاندان کے کسی عیب یا نقص سے ملقب کرنا، یا کسی غیر مسلم کے مسلمان ہو جانے کے بعد اسے اس کے سابق مذہب کی بنا پر یہودی، عیسائی وغیرہ کہنا، یا کسی شخص یا خاندان، برادری یا گروہ کا ایسا نام رکھنا جو اس کی مذمت اور تذلیل و تحقیر کا پہلو رکھتا ہو۔

البتہ اس حکم سے ایسے القاب مستثنیٰ ہیں جو ظاہری طور پر عیب اور بدنمائی والا مفہوم رکھتے ہیں مگر ان سے ان کی مذمت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی تعیین، پہچان اور تعارف کا ذریعہ بن جاتے ہیں جن کو ان القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ راویانِ حدیث میں ایسے بہت سے اشخاص اور ان کے القاب کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً سلیمان بن مہران کی صفت ''الاعمش'' یعنی چُندھا، واصل کی صفت ''الاحدب'' یعنی کبڑا، حمید کی صفت ''الطویل'' یعنی لمبا، مسلم کی صفت ''البطین'' یعنی بڑے پیٹ والا۔ یہ اور ان جیسے القاب اسی قبیل سے ہیں۔ محدثین نے ایسے القاب کے ذکر کو جائز رکھا ہے۔

اسی طرح اگر ایک ہی شہر یا ماحول میں ایک ہی نام کے متعدد آدمی ہوں اور ان میں سے کسی ایک خاص شخص کی پہچان و تعارف اس قسم کے کسی خاص وصف یا لقب سے ہو تو وہ

لقب استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ لقب بجائے خود نامناسب ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً عبداللہ نام کے کئی آدمی ہوں اور ان میں سے ایک نابینا ہو تو اسے نابینا عبداللہ کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اسے اندھا کہنے سے گریز کرنا چاہیے اس کی بجائے نابینا کہہ لیا جائے۔ ہمارے ہاں اسے ''حافظ صاحب'' بھی کہہ لیتے ہیں۔

اسی طرح بعض القاب جن میں بظاہر تنقیص کا پہلو نکلتا ہو مگر درحقیقت وہ کسی خاص سبب یا محبت کی وجہ سے رکھے گئے ہوں اور صاحب لقب بھی ایسے لقب کو پسند کرتا ہو تو اسے ایسے لقب سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ابوہریرہ'' (چھوٹی بلی والا) کہا اور یہ لقب ان کے لیے اس قدر معروف ہوا کہ اب ان کا اصل نام کتابوں ہی میں ملتا ہے اور صرف اہل علم ہی اس سے واقف ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ''ابوتراب'' (مٹی والا) کہہ کر پکارا۔ انھیں جب اس لقب سے پکارا جاتا تو وہ خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ابوجبیرہ بن ضحاک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آیت ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ ہم انصار کے قبیلے بنوسلمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ کے رسول ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم میں سے ہر ایک کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو اس کے معروف نام سے پکارتے تو بتلایا جاتا کہ اللہ کے رسول! ذرا خیال رکھیں، اس آدمی کو اس نام یا لقب سے پکارا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ چناں چہ اس حوالے سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (سنن أبي داوٗد: 4962، سنن ابن ماجه: 3741، سنن الترمذي: 3268، وقال: هذا حديث حسن صحيح)

احکام ومسائل:

1. کسی کو ایسے نام یا لقب سے نہ پکارا جائے جو اسے ناگوار گزرتا ہو۔
2. مسلمان کو دوسرے مسلمان کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے، جس سے اس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾﴾ (الحجرات: 12)

''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کیا کرو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، تجسس بھی نہ کیا کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی آدمی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

ظن:

یہ لفظ یقین اور گمان دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر گمان بھی دو قسم کا ہوتا ہے: اچھا گمان اور برا گمان۔ پیش نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ گمان سے کام لینے اور ہر طرح کی بدگمانی سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ بعض گمان گناہ یعنی غلط ہوتے ہیں۔

اچھا اور پسندیدہ گمان:

گمان کی ایک قسم اخلاقی لحاظ سے نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں محمود و مطلوب ہے۔ مثلاً: اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا۔ حدیث قدسی میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 7405)

یعنی انسان اللہ کے بارے میں جیسا گمان رکھے، اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ انسان اگر اللہ سے امید رکھے کہ وہ اس پر رحمت اور مغفرت کرے گا تو اسے اللہ کی رحمت ضرور حاصل ہوگی اور اگر کوئی آدمی اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے تو اللہ بھی اسے اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان ہی رکھنا

چاہیے۔ جس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اچھے اعمال بجالا کر اللہ کے ہاں ان کی قبولیت اور اجر وثواب کی امید رکھے اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہوئے اس کی مغفرت اور بخشش کا امیدوار ہو۔ مسلسل گناہ کرتے جانا اور پھر اللہ سے اس کی رحمت کی امید رکھنا بہت بڑی نادانی ہے۔

حسنِ ظن بہترین عبادت ہے:

یاد رہے کہ حسن ظن، ایک بہترین عبادت بھی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن ظن یعنی اچھا گمان رکھنا حسن عبادت میں سے ہے۔''

(سنن أبي داوٗد : 4493، مسند أحمد : 297/2)

گمان کی دوسری قسم:

گمان کی دوسری قسم وہ ہے جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں۔ مثلاً: عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ جج کے سامنے جو شہادتیں پیش ہوتی ہیں، جج ان کو جانچ کر غالب گمان کی بنا پر فیصلہ کرتا ہے۔ کیوں کہ اسے براہ راست معاملے کی حقیقت کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔ شہادتوں کی بنا پر جو رائے قائم ہوتی ہے وہ یقین پر نہیں بلکہ غالب گمان پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح پیش آمدہ اکثر معاملات میں جہاں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور حقیقت کا علم حاصل ہونا ممکن نہ ہو تو انسان کے لیے گمان کی بنیاد پر ایک رائے قائم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا، میرا بیٹا یعنی میرے نطفے سے ہے موقعہ ملے تو اسے اپنی تحویل وکفالت میں لے لینا۔ فتح مکہ کے موقع پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے مجھے اس کے متعلق کہا تھا۔ ادھر عبد بن زمعہ نے دعویٰ کیا کہ نہیں، یہ تو میرا بھائی ہے، میرے والد کی لونڈی کا بیٹا ہے اور میرے والد کے گھر میں اس کی ولادت ہوئی ہے۔

یہ دونوں اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں لے گئے۔ آپ نے دونوں کا موقف سن کر فرمایا کہ اس بچے پر عبد بن زمعہ کا حق ہے۔ پھر آپ نے ایک شرعی ضابطہ بیان

فرمایا کہ ((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ)) ''بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی نے اسے جنم دیا اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی اسے سنگ سار کیا جائے گا۔'' پھر آپ نے اپنی اہلیہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ سودہ! تم اس سے پردہ کیا کرو کیوں کہ ظاہری طور پر وہ بچہ عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا۔ چناں چہ اس نے زندگی بھر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ (صحيح البخاري : 2053)

اگرچہ نبوی ظاہری فیصلے کے مطابق اس بچے کو زمعہ کا بیٹا قرار دے دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ اُمّ المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار پایا تھا۔ مگر چوں کہ اس کی شکل و شباہت عتبہ (زانی) کے مشابہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اُمّ المومنین سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ گویا آپ نے بچے کی عتبہ سے مشابہت کے باوجود محض گمان کی بنیاد پر فیصلہ نہیں دیا۔

گمان کی ایک اور قسم:

گمان کی ایک اور قسم یہ بھی ہے جو اگرچہ ہے تو بدگمانی مگر وہ جائز نوعیت کی ہے اور اس کا گناہ میں شمار نہیں ہوتا، مثلاً: کسی شخص یا گروہ کی سیرت و کردار میں یا اس کے معاملات اور طور طریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں جن کی بنا پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو۔ اور اس سے بدگمانی کرنے کی معقول وجوہات موجود ہوں، ایسی صورت حال میں شریعت کا یہ ہرگز مطالبہ نہیں ہے کہ ہم سادہ لوحی برت کر ضرور اس سے حسن ظن ہی رکھیں۔ لیکن اس جائز بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لیے مناسب احتیاط سے کام لیا جائے۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر محض گمان کی بنا پر اس کے خلاف کوئی کاروائی کر بیٹھنا قطعاً درست نہیں۔

اس کی ایک واضح مثال یوں ہے کہ غیر محرم مرد اور عورت کسی الگ تھلگ مقام پر پائے جائیں تو محض گمان کو بنیاد بنا کر ان پر زنا کی حد جاری کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ برائی کے ارادے سے ہی وہاں گئے ہوں مگر اچانک کسی مانع کی بنا پر وہ عملاً برائی کا ارتکاب

نہ کر سکے ہوں۔ البتہ انھیں اس غیر اخلاقی اور ناجائز حرکت پر تعزیری سزا دی جا سکتی ہے۔

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو چوری کرتے دیکھا تو فرمایا: چوری کر رہے ہو؟ وہ بولا: اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں چوری نہیں کر رہا تو سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور میں نے جو کچھ دیکھا اسے جھوٹ سمجھتا ہوں۔'' (صحيح البخاري : 3444)

گمان کی ایک اور صورت:

گمان کی ایک اور صورت بھی ہے، جو درحقیقت گناہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے متعلق بلاسبب بدگمانی رکھے، یا دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتدا کرے، یا ایسے لوگوں کے معاملے میں بدظنی سے کام لے جن کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ نیک سیرت اور شریف ہیں۔ اسی طرح یہ بھی گناہ ہے کہ کسی کے قول و فعل میں برائی اور بھلائی کا یکساں احتمال ہو اور ہم محض سوءِ ظن سے کام لے کر اس کو برائی ہی پر محمول کریں، مثلاً: کوئی شریف آدمی محفل سے اٹھ کر جاتے ہوئے اپنے جوتے کی بجائے کسی دوسرے کا جوتا اٹھا لے تو اس کے متعلق سمجھنا کہ اس نے جان بوجھ کر اور چوری کی نیت سے ایسا کیا ہے، یہ بدگمانی ہوگی، کیوں کہ عین ممکن ہے کہ اس سے یہ کام غلطی اور نادانستگی میں ہو گیا ہو۔

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔''

(صحيح البخاري: 6066، صحيح مسلم : 2563)

بدگمانی کا موقع نہ دیا جائے:

جس طرح کسی کے متعلق بدگمانی کرنا مذموم اور ممنوع ہے اسی طرح اخلاقی تقاضا ہے کہ انسان کوئی ایسا کام نہ کرے، جس سے دوسروں کو اس کے متعلق بدگمانی کرنے کا موقع ملے۔

سیّدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی محفل میں تین آدمی ہوں تو ان میں سے دو آدمی الگ ہو کر سرگوشی نہ کریں۔'' (صحيح البخاري : 6288،

صحیح مسلم : 2183، 2184) کیوں کہ ایسی صورت میں علیحدہ رہ جانے والے شخص کے دل میں مختلف وساوس اور بدگمانیاں پیدا ہوں گی کہ نامعلوم انھوں نے کیا بات کہی ہے؟ یا شاید انھوں نے میرے خلاف کوئی منصوبہ بنایا ہو۔ اس لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

بدگمانی کا ازالہ:

رسول اللہ ﷺ نے ہماری راہ نمائی کی ہے کہ اگر کسی موقعے پر اپنے متعلق کسی کے دل میں بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اصل صورت حال کی وضاحت کر دینی چاہیے تاکہ بدگمانی کا راستہ بند ہو جائے۔

اُمّ المومنین سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں معتکف تھے۔ میں آپ سے ملاقات کے لیے مسجد میں چلی گئی۔ آپ سے حال احوال دریافت کیے۔ واپس آنے لگی تو آپ مجھے گھر تک چھوڑنے کے لیے چلے آئے۔ گھر کے دروازے کے قریب گلی میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں دو انصاری آدمی سلام کر کے پاس سے گزرنے لگے تو آپ نے انھیں روک کر فرمایا: ''یہ میری اہلیہ صفیہ بنت حیی ہیں، اب تم جاؤ۔'' وہ کہنے لگے: سبحان اللہ، اللہ کے رسول! (یہ کیا؟ آپ نے یہ وضاحت کیوں کی؟ اس کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، ہم آپ کے متعلق کوئی ایسی ویسی بات سوچ بھی نہیں سکتے) آپ نے فرمایا: ''شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا شیطان تمھارے دلوں میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔''

(صحیح البخاري : 2035، صحیح مسلم : 2174)

یہ درست ہے کہ ان دونوں صحابیوں کو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کسی قسم کا شک یا بدگمانی نہیں تھی۔ لیکن شیطان ان پر داؤ چلا سکتا تھا۔ اسی لیے آپ نے وضاحت کر دی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب کبھی یہ واقعہ بعد میں بیان کیا جاتا اور کوئی بدطینت شخص سوال کر دیتا کہ مسلمانوں کا نبی، رات کے اندھیرے میں نامعلوم کس کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ اس

سے مسلمانوں کے لیے پریشانی ہوتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرنے میں دیر کی اور نہ عار محسوس کی۔

تجسس کی مخالفت:

﴿ وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾ ''اور تجسس نہ کرو۔'' یعنی لوگوں کے مخفی راز اور پوشیدہ عیوب تلاش نہ کرتے پھرو۔ اور ان کے پوشیدہ حالات و معاملات کی ٹوہ میں نہ رہو۔ یہ ایک بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلتی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ایسا کلام سنا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے فائدہ دیا، میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ''اگر تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہو گے تو انھیں مزید بگاڑ دو گے۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس لیے میں لوگوں کے عیوب کے درپے ہوکر انھیں مزید نہیں بگاڑتا۔ (سنن أبي داوٗد، ح: 4888۔ الأدب المفرد، ح: 248 واللفظ له۔ اسحاق بن علاء کی عمرو بن حارث سے مروی حدیث کو امام ابن خزیمہ (571)، ابن حبان (2931)، دارقطنی (33/1) اور حاکم (223/1) وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔)

کیوں کہ عین ممکن ہے کہ عیب کھل جانے کے بعد لوگ مزید جری ہوجائیں اور علی الاعلان غلط کاموں کا ارتکاب کرنے لگیں۔

تجسس کا انجام، رسوائی:

کہا جاتا ہے کہ ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے'' لہٰذا حقیقت ہے کہ جو شخص لوگوں کے عیب کی ٹوہ لگاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو لوگوں کے سامنے عیاں کرکے اسے رسوا کردیتا ہے۔

سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے وہ لوگو! جو زبان سے تو ایمان لاچکے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں جاگزیں (راسخ) نہیں ہوا، تم مسلمانوں کو تکلیف مت دو، ان کو عار نہ دلاؤ۔ نہ ان کے عیبوں کے درپے ہوا کرو، کیوں کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کے درپے ہوتا ہے، اللہ اس کے عیبوں کے درپے ہوتا ہے اور اللہ جس کے

عیبوں کے درپے ہوگیا، وہ اسے گھر کی چار دیواری کے اندر بھی رسوا کر دے گا۔''(سنن الترمذي، ح: 2032 وحسنه)

ذاتی تجسس سے ممانعت کا یہ حکم افراد کے ساتھ ساتھ اعیانِ حکومت کے لیے بھی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگرچہ حکومت کا فریضہ ہے، اس کے باوجود افسرانِ حکومت کے لیے جائز نہیں کہ وہ جاسوسی کا ایسا محکمہ قائم کریں جو لوگوں کی ذاتی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر سزائیں دیں۔

حکومت صرف ایسے جرائم پر سزا دینے کی مجاز ہے جو ظاہر ہو جائیں۔ مخفی برائیوں کی اصلاح کا طریقہ جاسوسی نہیں بلکہ تعلیم، وعظ و تلقین، نصیحت، اجتماعی تربیت اور پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے۔ یہ بات اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمائی ہے۔ سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''حاکم وقت اگر تہمت یعنی شک اور شبہے کی بنا پر لوگوں کے عیبوں کی ٹوہ لگائے گا تو وہ انھیں مزید بگاڑ دے گا۔''(سنن أبي داود، ح: 4889، مسند الإمام أحمد: 4/6)

چوں کہ تجسس سے دلوں میں نفرتیں جنم لیتی ہیں، اس لیے مسلمانوں کو باہمی نفرت سے بچانے کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا تجسس نہ کیا کریں۔

البتہ یاد رہے کہ تجسس کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو صرف جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالات میں حکومت کے ذمہ دار لوگوں پر اصلاح احوال کے لیے وہ لازم ہو جاتی ہیں کیوں کہ اس کے بغیر معاشرے میں برائیوں پر کنٹرول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اصلاح احوال کے لیے حکومت کا جرائم پیشہ لوگوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور اداروں کے سربراہوں کا حقائق و حالات سے آگاہ ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ اصلاحِ احوال کے لیے بروقت قدم اٹھایا جا سکے۔

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی

کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ پس تم خود اس سے گھن کھاتے ہو اور اللہ سے ڈرو،
بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم والا ہے۔''

غیبت اور بہتان:

کسی کی غیر موجودگی میں اس کے کسی عیب کا ایسے انداز میں تذکرہ کرنا کہ اسے معلوم ہو تو اسے ناگوار گزرے، اسے ''غیبت'' کہتے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جانتے ہو غیبت کیا ہوتی ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارا اپنے بھائی کا تذکرہ اس انداز سے کرنا جو اسے ناگوار ہو۔'' عرض کیا گیا: جو بات میں کہوں اگر وہ عیب اس میں پایا جاتا ہو تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا: ''جو عیب اس میں موجود ہو اسے اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا ہی غیبت ہے، اور اگر وہ عیب اس میں نہ پایا جاتا ہو تب تو تم نے اس پر بہتان تراشا (جو اس سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے)۔ (صحیح مسلم، ح: 2589)

غیبت کا انجام اور سزا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معراج کے موقع پر میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کا گوشت کھاتے یعنی ان کی غیبت کرتے اور ان کی عزتوں کو پامال کیا کرتے تھے۔'' (سنن أبي داوٗد، ح: 4878، وسندہٗ صحیح)

مسلمان کے لیے مسلمان کی عزت سے کھیلنا، اسے پامال کرنا اور داؤ پر لگانا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا خون یعنی جان، مال اور عزت حرام ہے۔'' (صحیح مسلم، ح: 2564)

سب سے بڑا سود:

بلکہ یاد رہے کہ جس طرح تجارتی معاملات اور مالی امور میں سود سنگین جرم ہے بالکل

اسی طرح معاشرتی معاملات میں بھی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کی بے عزتی یا بے ادبی کرنا حرام ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اسے سب سے بڑا سود یعنی بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا سود یعنی گناہ اور زیادتی یہ ہے کہ انسان کسی کی عزت پر حملہ کرے۔''

(سنن أبي داوٗد، ح: 4876، وسندهٗ صحيح)

سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی غیبت کرنے والوں کا واقعہ:

سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ بشری تقاضے کے تحت زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کیا تو انھیں رجم یعنی سنگساری کی سزا دے دی گئی۔ ایک سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کو باتیں کرتے سنا، ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اللہ نے تو اس پر پردہ ڈال دیا تھا مگر اس کے نفس (دل) نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ اسے پتھروں سے اس طرح مارا گیا جیسے کتے کو مارا جاتا ہے۔ کچھ آگے جا کر رسول اللہ ﷺ ایک مردہ گدھے کی لاش کے پاس سے گزرے۔ وہ لاش پھول چکی تھی اور اس کی ٹانگیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے وہاں رک کر ان دونوں کو بلوا کر فرمایا کہ اتر کر اس مردہ گدھے کا گوشت کھاؤ، وہ کہنے لگے: اللہ کے نبی! یہ تو مرا ہوا گدھا ہے، اسے کون کھا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم نے اپنے بھائی کی عزت کو پامال کیا ہے، وہ کام اس سے بھی بدتر ہے۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ (ماعز رضی اللہ عنہ) تو اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔''

(سنن أبي داوٗد، ح: 4428، وسندهٗ حسن)

کسی کی غیر موجودگی میں ضرورت کے تحت اس کے خلاف بات کرنے کا جواز:

بسا اوقات کسی کی غیر موجودگی میں کوئی ایسی بات کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو بظاہر غیبت کے زمرے میں آتی ہے لیکن اگر اسے کسی کی عزت پر حملہ کرنا مقصود نہ ہو بلکہ قومی یا انفرادی مصلحت پیش نظر ہو تو اس کی اجازت ہے اور ایسی بات کے کرنے میں کوئی

حرج نہیں۔

⊛:......سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تو انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوالجہم رضی اللہ عنہ نے نکاح کی پیش کش کی۔ انھوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا: ''معاویہ تو از حد مفلس ہے اور ابوالجہم اپنی بیویوں کی پٹائی کرنے کا عادی ہے۔ تمھارے لیے ان دونوں کے ہاں نباہ کرنا مشکل ہوگا۔ البتہ تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کرلو۔'' چناں چہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں خوب برکت دی۔

(مسلم، ح: 1480)

یہاں چوں کہ ایک عورت کے مستقبل اور پوری زندگی کا مسئلہ درپیش تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا تھا اس لیے آپ نے دیانت داری کے ساتھ ان دونوں کی ایسی کمزوریاں اس سے ذکر کردیں جو آپ کے سامنے تھیں۔

⊛:......ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ آپ نے اسے آتا دیکھ کر فرمایا: ''یہ اپنے قبیلے کا انتہائی برا آدمی ہے۔'' اس کے بعد وہ آ کر آپ کے پاس بیٹھا تو آپ نے کشادہ روئی سے اس کے ساتھ گفتگو کی۔ اس کے چلے جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے تو اسے دیکھ کر کچھ اور قسم کے جذبات کا اظہار کیا تھا، وہ آیا تو آپ نے بڑی خوش اخلاقی اور کشادہ روئی سے اس کے ساتھ گفتگو کی، تو آپ نے فرمایا: عائشہ! تم نے مجھے بداخلاق کب پایا؟ (یعنی میری پہلی بات اس کے متعلق حقیقت کا اظہار تھا اور اس کے آنے پر اس کے ساتھ رویہ میرا اخلاق) قیامت کے دن اللہ کے ہاں لوگوں میں سے بدترین آدمی وہ ہوگا جس کی بدکلامی و بداخلاقی کی وجہ سے لوگ اس سے میل جول ترک کردیں۔''

(صحيح البخاري، ح: 6032۔ صحيح مسلم، ح: 2591)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس آدمی کے متعلق منفی رائے رکھنے کے باوجود اس کے

ساتھ اچھے انداز سے گفتگو کی کیوں کہ آپ کے اخلاق کا یہی تقاضا تھا لیکن آپ کو اندیشہ ہوا کہ آپ کے اہل خانہ آپ کو اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے دیکھ کر کہیں اسے آپ کا مخلص نہ سمجھ بیٹھیں اور وہ بعد میں کسی وقت اس کا ناجائز فائدہ اٹھالے، اس لیے آپ نے سیدہ کے سامنے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا۔

بیوی کو شوہر کے خلاف شکایت:

ایک موقعے پر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے آ کر شکایت کی کہ میرا شوہر ابوسفیان انتہائی کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اور میرے بچوں کو اتنا نہیں دیتا جو ہماری لازمی ضروریات کے لیے بھی کافی ہو۔ الا یہ کہ میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال میں سے کچھ اٹھالوں، کیا مجھے اس کی اجازت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! تم اِس کے مال میں سے بقدر ضرورت لے سکتی ہو۔''

(صحيح البخاري، ح: 5364- صحيح مسلم، ح: 1714)

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1:...... اس سے معلوم ہوا کہ بیوی اور بچوں کا نان ونفقہ شوہر کے ذمے ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ گنجائش اور ماحول کے مطابق انھیں ان کی لازمی ضروریات مہیا کرے۔

2:...... مصلحت کے پیش نظر زوجین یا احباب حاکم کے ہاں یا کسی مناسب محل پر ایک دوسرے کے عیب ذکر کریں تو اس کی اجازت ہے۔

3:...... بعض مخصوص حالات میں قاضی، جج اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر گواہ طلب کیے بغیر بھی فیصلہ دے سکتا ہے۔

4:...... اگر کوئی شخص کسی آدمی کا حق ادا نہ کر رہا ہو تو جائز ہے کہ اس کے مال میں سے حق دار اپنے حق کے برابر وصول کر لے۔

بیوی کی طرف سے شوہر کی غیر موجودگی میں یہ شکایت اگرچہ غیبت تھی مگر اللہ کے رسول نے اس کو نہ صرف سنا بلکہ اس کی روشنی میں فیصلہ بھی صادر کر دیا کیوں کہ مظلوم کو حق پہنچتا ہے

کہ وہ ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے پاس لے جائے جو اس کا مداوا کر سکتا ہو۔

غیبت کی بعض مباح صورتیں:

مذکورہ بالا احادیث و نظائر سے استنباط کرتے ہوئے محدثین عظام و فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ غیبت یعنی کسی کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف بات کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے جب شریعت کی رو سے اور کسی صحیح غرض کے لیے اس کی ضرورت ہو اور وہ ضرورت اس کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو۔ پھر اسی قاعدے کی رو سے غیبت کی مندرجہ ذیل صورتوں کو انھوں نے جائز قرار دیا ہے:

①: مظلوم کا کسی صاحبِ اختیار کے سامنے اپنی مظلومیت کا اظہار کرنا۔

②: فتویٰ طلب کرنے کے لیے مفتی کے سامنے مسئلے کی اصل صورت بیان کرنا۔

③: خلاف شرع کاموں کو روکنے اور برائی کے مرتکب کو راہ راست پر لانے کے لیے کسی صاحبِ اختیار کی مدد حاصل کرنا۔

④: مسلمانوں کی اجتماعی بھلائی اور خیر خواہی کرنا مثلاً: حدیث کے سلسلۂ سند کے راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کے متعلق تحقیق کرنا۔ فیصلہ کرنے کے لیے گواہوں پر جرح کرنا۔

⑤: کسی فاسق فاجر کے فسق و فجور کا اظہار کرنا تاکہ لوگ اس سے محتاط رہیں۔

⑥: جو آدمی کسی ایسے نامناسب لقب سے معروف ہو تو اس کی تعیین کے لیے اس کے معروف نام و لقب سے پکارنا۔

یہ چھ صورتیں ہیں جن کی وجہ سے کسی کے عیب کو بیان کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس سے قبل احادیث کے حوالے سے تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

غیبت، بہتان اور چغلی:

کسی کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف کی جانے والی بات اگر حقیقت ہو تو ''غیبت'' جھوٹی ہو تو ''بہتان'' اور دو آدمیوں کے درمیان دوری اور منافرت پیدا کرنے والی ہو تو ''چغلی'' کہلاتی ہے۔ شریعت کی نظر میں یہ تینوں صورتیں مذموم، ممنوع اور حرام ہیں۔ شریعت

اسلامیہ کی یہ بھی ہدایت ہے کہ اگر کسی کے سامنے کسی مسلمان کے خلاف بات ہو تو اسے خاموشی سے سننے کی بجائے اس کی تردید کرے۔ اگر کوئی مسلمان ایسے موقعے پر دوسرے مسلمان کا دفاع نہیں کرتا جہاں اس کی بے توقیری کی جارہی ہو یا اس کی عزت کو پامال کیا جارہا ہو تو اللہ بھی کسی ایسے موقعے پر اس کی یاوری نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی تائید و نصرت کا خواہش مند ہو اور اگر کوئی شخص ایسے موقعے پر مسلمان بھائی کی حمایت اور اس کا دفاع کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جب اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

غیبت کرنے والے کی ذمہ داری:

غیبت کرنے والے کو جب احساس ہو کہ وہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے یا کر چکا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس عمل پر نادم ہو کر توبہ کرے اور اس مذموم و حرام عمل سے باز آجائے۔ نیز حتیٰ الامکان اس کی تلافی کی کوشش بھی کرے۔ اگر اس نے کسی فوت شدہ آدمی کی غیبت کی ہو تو اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرے اور اگر کسی پر اس نے الزام و بہتان باندھا ہو تو جس آدمی پر الزام لگایا اس سے خلوص کے ساتھ معذرت اور معافی کا طلب گار ہو اور جن لوگوں کے سامنے یہ الزام لگایا ان کے سامنے اپنی غلط بیانی اور دوسرے کی براءت کا کھلم کھلا اظہار و اعتراف کرے۔

غیبت اور مردہ بھائی کا گوشت:

پیش نظر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس فعل کی مذمت اور اس کے انتہائی گھناؤنا ہونے کا احساس دلایا ہے۔ مردار کا گوشت کھانا بجائے خود قابل نفرت ہے، کجا یہ کہ وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا اور اپنے مردہ بھائی کا ہو۔ پھر اس تشبیہ کو سوالیہ انداز میں پیش کر کے مزید مؤثر بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر آدمی اپنے ضمیر سے پوچھ کر خود فیصلہ کرے کہ آیا وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے لیے تیار ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا مزاج اس کے لیے قطعاً تیار نہیں ہو سکتا تو آخر وہ کیسے یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے ایک مومن بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ

کرے جب کہ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا اور اسے یہ خبر تک نہیں کہ کوئی اس کی عزت پر حملہ اور اس کی حرمت کو پامال کر رہا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیبت کی حرمت کی اصل وجہ اس آدمی کی دل آزاری نہیں جس کی غیبت کی جا رہی ہے، بلکہ یہ فعل ویسے ہی حرام ہے۔ متعلقہ آدمی کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور اسے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ جیسا کہ مردہ بھائی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں کہ مردے کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تو اس بات سے یکسر بے خبر ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ اسی طرح جس آدمی کی غیبت کی گئی ہو اگر اسے کسی ذریعے سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس سے بے خبر رہے گا کہ کہاں، کس شخص نے، کب، کن لوگوں کے سامنے اس کی عزت کو پامال کیا اور اسے لوگوں کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی، اس بے خبری کی وجہ سے اسے اس غیبت سے کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔ البتہ اس سے اس کی عزت پر حرف ضرور آئے گا۔ اس لیے اس کا یہ فعل (غیبت) مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف ہے۔

احکام و مسائل:

① مسلمانوں کا ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرنا ممنوع، مذموم اور حرام ہے۔

② مسلمانوں کو دوسروں کے پوشیدہ معاملات کی ٹوہ میں رہنے کی بجائے

؎ تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو

کے تحت اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

③ کسی کی غیبت کرنا، کبیرہ گناہ اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی طرح گھناؤنا عمل ہے۔

④ مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

⑤ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

انسانی عزت کا معیار

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝۱۳ ﴾

(الحجرات : 13)

”لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم اور حوا ﷤) سے پیدا کیا اور تمھارے خاندان اور قبیلے بنا دیے ہیں، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ آدمی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ بلا شبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔“

دنیاوی معیارِ فضیلت:

ماحول اور معاشرے میں دوسروں سے ممتاز رہنا اور نمایاں نظر آنا تقریباً ہر آدمی کی فطرت میں شامل ہے۔ وہ اس کے لیے ہر ممکن مختلف ذرائع اور انداز اختیار کرتا ہے۔ عمدہ لباس، بہترین خوش بو، مختلف ڈیزائن اور فیشن اسی جذبے کی وجہ سے اختیار کیے جاتے ہیں۔ شاندار رہائش اور بہترین سواری کی خواہش بھی اسی لیے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی اعلیٰ خاندان کی طرف انتساب، خوب صورت گوری رنگت، مال و دولت کی فراوانی اور حکومت و اقتدار کے حصول کی خواہش اور کوشش بھی اسی لیے کی جاتی ہے کہ لوگوں میں برتری اور فوقیت برقرار رہے۔ لوگ ان مقاصد کے لیے بالعموم جائز اور ناجائز تک کی پروا نہیں کرتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب چیزوں کا تعلق صرف دنیوی زندگی سے ہے۔

ان کی وجہ سے دنیا میں تو شاید کچھ عزت مل جائے مگر اللہ کے ہاں ان چیزوں کی وجہ

سے عزت اور آخرت میں کامیابی نہیں مل سکتی۔

❁ اعلیٰ خاندان:

اگر محض اعلیٰ خاندان کا فرد ہونا یا کسی اعلیٰ ترین شخصیت کی طرف انتساب کسی کے لیے مفید ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب اور ابولہب اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد اور سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا لوط علیہ السلام کی بیویاں جہنم میں نہ جاتیں اور سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کو کافروں کے ساتھ غرقاب نہ کیا جاتا۔

❁ حسن و جمال اور خوب صورتی:

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابولہب کا رنگ گورا اور چمک دار تھا۔ اسی لیے اسے اس کے اصل نام ''عبدالعزیٰ'' کی بجائے ''ابولہب'' کہا جاتا تھا۔ مگر اس کی خوب صورتی اس کے کسی بھی کام نہ آئی اور اسلام قبول نہ کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت وعداوت کی پاداش میں اسے جہنم کی وعید سنائی گئی۔

❁ مال و دولت کی فراوانی:

مال و دولت اور ثروت کی بنا پر دنیا میں تو شاید کسی کو عارضی طور پر عزت و تکریم مل جائے مگر اللہ کے ہاں دنیاوی مال و دولت کی کچھ وقعت نہیں۔ قارون کی ثروت و امارت کا شہرہ عام ہے۔ تاہم اسے اس کی سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے زمین میں دھنسا دیا گیا اور دولت اس کے کسی کام نہ آسکی۔

❁ حکومت واقتدار:

فرعون، مصر کی سلطنت کا حاکم تھا، مگر اللہ کے رسول سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لایا اور کفر پر ڈٹا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس کی حکومت، سلطنت اور اقتدار اس کے کام نہ آسکا۔

اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت:

ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ کسی اعلیٰ خاندان کا فرد ہونا یا اس کی طرف انتساب، خوب

صورتی، مال و دولت کی فراوانی اور حکومت و اقتدار کی بنا پر اللہ کے ہاں کسی کو عزت و توقیر نہیں ملتی۔ بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت کا معیار تقویٰ، ایمان اور عمل صالح ہے۔

❁ رسول اللہ ﷺ کی اپنے خاندان کو تنبیہ:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ﴾ (الشعراء : 214) ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں'' نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے قریش کے خاندانوں کو جمع کر کے فرمایا: ''قریش کی جماعت! ایمان قبول کر کے اپنے آپ کو جہنم سے آزاد کرالو، اللہ کے ہاں جا کر میں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میرے چچا عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! تم میرے مال میں سے جتنا چاہو، مال لے لو مگر اللہ کے ہاں میں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔'' (صحيح البخاري، ح : 2753۔ صحيح مسلم، ح : 204)

❁ دوسرے خاندان کو کمتر جاننا کافرانہ عمل ہے:

سیدنا ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''چار کام جاہلیت (کفر) سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر میری امت کے لوگ (مسلمان ہونے کے باوجود) ان کو ترک نہیں کریں گے:

1: اپنے حسب نسب پر فخر کرنا یعنی اپنے خاندان کو دوسروں سے اعلیٰ اور برتر سمجھنا۔

2: دوسروں کے نسب پر طعن کرنا یعنی ان کو حقیر سمجھنا۔

3: بارش نازل ہونے میں تاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا۔

4: کسی کے مرنے پر نوحہ اور بین کرنا۔'' (صحيح مسلم، ح : 934)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی اپنے اعمال کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے رہ گیا، اسے اس کا حسب و نسب اعلیٰ درجہ نہیں دلا سکتا۔ فرمایا:

((مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ.))

''جس آدمی کو اس کے اعمال نے پیچھے چھوڑ دیا اسے اس کا حسب ونسب آگے نہیں لے جاسکتا۔'' (صحیح مسلم، ح: 2699)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمھارے جو آباء واجداد قبل اسلام کفر کی حالت میں مر گئے، تم ان پر فخر نہ کرو۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کفر کی حالت میں مرجانے والے تمھارے آباء واجداد کی نسبت وہ کالا کیڑا (بھونڈ) افضل ہے جو اپنی ناک سے پاخانے کو دھکیلتا پھرتا ہے۔'' (مسند أحمد: 301/1 وسنده صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ عزوجل نے تم سے جاہلیت کی نخوت (تکبر) اور باپ دادا پر فخر کرنے کو دور کردیا ہے۔ (اس نے تمھیں ایمان، اسلام اور عمل صالح کی بدولت معزز بنایا ہے۔ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں) (1) صاحب ایمان، متقی (2) یا فاجر وشقی (بدبخت)

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔ لوگوں کو قومی نخوت (تکبر کی بری عادت) ترک کرنا پڑے گی (وہ تو کفر وشرک اور بداعمالیوں کے سبب) جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں۔ ورنہ یہ قومیت اور آباء واجداد پر فخر کرنے والے اللہ کے ہاں گندگی کے کالے کیڑے (بھونڈ) سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔ (سنن أبي داود، ح: 5116، جامع الترمذي، ح: 3955)

اللہ کے ہاں عظمت کا معیار:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مال داری کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمھارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

(صحیح مسلم، ح: 2564)

کمزور پنڈلیاں، جبل احد سے بھی وزنی:

جناب زر بن حبیش کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسواک اتارنے کے لیے پیلو کے درخت پر چڑھے۔ ان کی پنڈلیاں پتلی اور کمزور سی تھیں۔ یہ درخت پر تھے کہ تیز ہوا چل پڑی۔ کپڑا اڑنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم کس بات پر ہنس رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! ان (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) کی پنڈلیوں کی کمزوری کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی یہ پتلی اور کمزور پنڈلیاں قیامت کے دن میزانِ اعمال میں جبل احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔'' (مسند أحمد : 420/1، 421)

کالی رنگت والا اللہ کے ہاں بے وقعت نہیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی آدمی تھا وہ دیہات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفے (سبزیاں) لایا کرتا تھا۔ بدلے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے کچھ نہ کچھ عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا دیہاتی بھائی ہے اور ہم اس کے شہری دوست ہیں۔ وہ واجبی سی شکل وصورت رکھتا تھا۔ تاہم اللہ کے رسول اس سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ ایک دن اللہ کے نبی بازار گئے تو دیکھا کہ وہ اپنا سامان فروخت کر رہا ہے۔ آپ نے اسے پتہ نہ چلنے دیا اور (بطور مزاح) پیچھے سے جا کر اسے اپنے بازوؤں میں قابو کر لیا چونکہ وہ آپ کو دیکھ نہیں سکا تھا، اس لیے خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا کہ تم کون ہو؟ مجھے چھوڑ دو اور کام کرنے دو۔ بعد میں اس نے کوشش کر کے دیکھنے کی کوشش کی اور پہچان گیا کہ یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش نہ کی بلکہ جان بوجھ کر پیچھے کی طرف ہو گیا تاکہ اس کی پشت اچھی طرح سینہ نبوی کے ساتھ مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا کہ بھئی! اس غلام کو کون خریدے گا؟ وہ بولا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! آپ مجھے بیچیں گے تو میری بہت ہی کم قیمت ملے گی۔ اس

کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ تمھیں جیسا بھی سمجھیں مگر حقیقت ہے کہ تم اللہ کے ہاں کم قیمت اور بے وقعت نہیں ہو۔ (شرح السنة للبغوي، ح: 3604، مسند أحمد: 161/3۔ الشمائل للترمذي، ح: 238۔ المصنف لعبد الرزاق: 455/10۔ مشکوٰۃ المصابیح، ح: 4889)

تین حقیقتیں:

پیش نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کو مخاطب کر کے تین حقیقتیں بیان کی ہیں:

1: ایک یہ کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہے اور تمام انسان آدم اور حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔

2: دوسری یہ کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے خاندانوں اور مختلف قبائل میں تقسیم کیا ہے۔ تاکہ انھیں ایک دوسرے سے تعارف میں آسانی ہو۔

3: تیسری یہ کہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے تمام انسان آپس میں برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں۔

اصل چیز جس کی بنا پر ایک آدمی کو دوسروں پر فضیلت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا، برائی سے بچنے والا اور نیک اعمال کرنے والا ہو۔ اسلام میں اس صفت کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقویٰ:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ تقویٰ: اس کے اصل معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ کبھی کبھی لفظ تقویٰ اور خوف ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جس طرح کہ سبب بول کر مسبّب اور مسبّب بول کر سبب مراد لیا جاتا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو اور یہ بات محظورات شرعیہ کے ترک کرنے سے حاصل ہوتی ہے......

(مفردات القرآن: 1135/2)

تقویٰ میں کمال درجہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان مشتبہ امور سے بھی اپنا

دامن بچائے۔

❀ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ:

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو انھیں خراج کی رقم دیا کرتا تھا۔ آپ اس کی طرف سے آئی ہوئی رقم استعمال میں لاتے اور اس سے اشیاء خرید کر کھا پی لیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کھانے کی کوئی چیز لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے وہ کھالی۔ اس کے بعد اس نے کہا: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ طعام میری کیسی کمائی کا ہے؟ آپ نے فرمایا: بتلا دو۔ اس نے کہا: میں قبل از اسلام کہانت کیا کرتا تھا یعنی لوگوں کو غیب کی خبریں بتایا کرتا تھا، حالاں کہ میں اس علم سے بخوبی واقف نہیں تھا۔ میں نے ایک دفعہ ایک آدمی کو یوں ہی کوئی جھوٹ موٹ بات کہہ دی، وہ اتفاقاً پوری ہوگئی۔ سچ تو یہی ہے کہ میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا اور اسے دھوکا دیا تھا۔ آج وہ مل گیا تو اس نے مجھے یہ چیز دی ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کر سارا کھانا قے کر دیا۔ (صحیح البخاري، ح: 3842)

❀ ایک چرواہے کا تقویٰ اور ایمان داری:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے باہر گئے۔ کھانے کا وقت ہوا تو دستر خوان لگا دیا گیا۔ ایک چرواہا ان کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اس شدید گرمی کے موسم میں روزہ رکھے ہوئے ہو اور ساتھ ہی ان پہاڑوں کے درمیان بکریاں چراتے پھر رہے ہو جب کہ گرم لو چل رہی ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں، میں ان خالی دنوں کے لیے تیاری کر رہا ہوں جب عمل کرنے کا موقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا کل کے لیے آج تیاری کر رہا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے تقوے اور ایمان داری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ کیا تم اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچ سکتے ہو؟ ہم تمھیں اس کی قیمت دیں گے اور تمھاری افطاری کے لیے تمھیں گوشت بھی دے دیں گے۔ اس نے کہا: یہ بکریاں میری

نہیں ہیں کہ بیچ دوں، یہ میرے آقا کی ہیں، اس لیے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اپنے آقا سے کہہ دینا کہ ایک بکری گم ہوگئی ہے۔ وہ تمھیں کچھ بھی نہیں کہے گا کیوں کہ ریوڑ میں سے بعض بکریاں پہاڑوں میں گم ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ یہ سن کر وہ چرواہا وہاں سے چل دیا اور آسمان کی طرف اپنی انگلی اٹھا کر کہتا جاتا تھا: "أین اللّٰه؟ أین اللّٰه؟ پھر اللہ کہاں ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ اس کے جانے کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بار بار یہی کہتے رہے کہ أین اللّٰه؟ اللہ کہاں ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینے آئے تو چرواہے کے آقا سے مل کر اس چرواہے اور بکریوں کو خرید لیا۔ چرواہے کو آزاد کر کے وہ بکریاں اسے ہبہ کر دیں۔ (المعجم الكبير للطبراني، ح: 13054۔ شعب الإيمان للبيهقي، ح: 8250 وسنده حسن)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا تقویٰ:

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تجارت کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات لوگ انھیں جعلی کرنسی دے جاتے تھے۔ انھیں پتہ چلتا تو اسے آگے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ایک طرف پھینک دیتے تھے۔ چناں چہ عبداللہ بن عون رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اگر ان کے پاس کھوٹے سکے آ جاتے تو وہ کسی کو نہیں دیتے تھے بلکہ ایک طرف پھینک دیتے تھے۔ ان کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں پانچ سو جعلی سکے (درہم) پڑے تھے۔ (الطبقات لابن سعد: 201/7، دوسرا نسخہ 200/9 وسندہٗ حسن)

تقویٰ کی بہترین مثال:

تقویٰ کی ایک بہترین صورت روزے کی ہے کہ روزے دار روزہ رکھ کر گرمی کے موسم میں لمبے دنوں میں بھوک پیاس برداشت کرتا ہے وہ اگر کہیں چھپ کر کچھ کھا پی لے تو کسی فرد یا بشر کو پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ مگر روزے دار محض اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے کھانے پینے کی کوئی چیز اپنے حلق سے نیچے نہیں جانے دیتا۔ اسی طرح افطاری کے وقت مشروبات اور مطعومات سامنے موجود ہوتے ہیں۔ مگر افطاری کا وقت ہونے سے پہلے وہ ایک ذرہ بھی اٹھا

کر نہیں چکھتا کہ ابھی اللہ کی طرف سے کھانے کی اجازت نہیں ملی۔

پیش نظر آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انھی باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت (سیدنا آدم و حوا علیہما السلام) سے پیدا کیا اور تمھارے قبیلے اور خاندان بنا دیے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت و تکریم اس آدمی کو ملے گی جو تم میں سب سے زیادہ متقی (اللہ سے ڈرنے والا) ہے۔ بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

احکام و مسائل:

① اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو اور ان کے بعد ان کی بائیں پسلی سے سیدہ حواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔

② پھر اس نے سیدنا آدم اور سیدنا حوا علیہما السلام سے باقی انسانوں کو پیدا کیا۔

③ انسانوں کو خاندان اور قبائل میں اللہ ہی نے تقسیم کیا ہے۔

④ خاندانوں اور قبائل میں تقسیم کا مقصد محض تعارف اور پہچان میں آسانی ہے۔

⑤ اللہ کے نزدیک فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ جو آدمی جس قدر زیادہ متقی ہے، وہ اتنا ہی اللہ کا مقرب اور اس کے نزدیک عزت و تکریم کا حق دار ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶﴾ (الحجرات: 14 تا 16)

”دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیں کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے ہو اور لیکن تم یوں کہو کہ ہم دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں۔ ابھی تک ایمان تمھارے دلوں میں داخل (راسخ) نہیں ہوا۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمھارے اعمال (کے اجر) میں کچھ کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ حقیقی مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے (اس میں) کچھ شک نہ کیا، اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، ایسے ہی لوگ (اپنے ایمان کے دعوے میں) سچے ہیں۔ آپ کہہ دیں: کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین قبول کرنے کی اطلاع دیتے ہو حالانکہ وہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

شریعت اسلامیہ میں یہ دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا مفہوم بھی مستقل اور الگ الگ ہے۔ تاہم بالعموم یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ یعنی ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الذاریات: 35، 36)

''اس بستی میں جو مومن (اہل ایمان) تھے ہم نے انھیں نکال لیا۔ ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کا صرف ایک گھر پایا۔''

اس آیت میں اسلام اور ایمان دونوں الفاظ کو مترادف استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی گھر والوں کو مومنین اور مسلمین یعنی اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی بھی استعمال ہوتے ہیں، البتہ بسااوقات ان دونوں کا اطلاق الگ الگ مفہوم پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ''حدیث جبریل'' میں ہے کہ ایک دفعہ سیدنا جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں انسانی صورت میں تشریف لائے اور آپ سے کچھ سوالات کر کے ان کے جوابات دریافت کیے۔

انھوں نے ایک سوال یوں کیا تھا: ''يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ'' اے محمد ﷺ! آپ مجھے اسلام کے بارے میں آگاہ فرمائیں (کہ اسلام کیا ہے؟) آپ نے فرمایا: ((أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا))

''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز (باقاعدگی سے) ادا کرو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو (یہ اسلام ہے)۔ جبریل علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا:

"فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ" آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں (کہ ایمان کیا ہے؟) آپ نے فرمایا: ((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ)) "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر، آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔ (اسے ایمان کہتے ہیں)" (صحيح مسلم : 8، 9)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسلام اور ایمان کی وضاحت الگ الگ طور پر کی ہے۔ آپ نے اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے ارکان اسلام اور ایمان کیا ہے؟ کے جواب میں اسلامی بنیادی عقائد اور ارکانِ ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح پیش نظر آیت میں بھی اسلام اور ایمان کے مفہوم میں فرق کیا گیا ہے کہ اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے اور ایمان کا تعلق عقائد اور قلبی اعمال سے ہے۔ عین ممکن ہے کہ کوئی آدمی زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتا ہو مگر ایمان نے ابھی اس کے دل میں جڑ نہ پکڑی ہو یعنی اچھی طرح راسخ نہ ہوا ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قَلْبِهٖ......))

"اے وہ لوگو! جو زبان سے یعنی ظاہری طور پر تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو مگر ابھی ایمان تمھارے دلوں میں اچھی طرح راسخ نہیں ہوا، مسلمانوں کی بدگوئی نہ کیا کرو، نہ ان کے عیبوں کے درپے ہوا کرو، بلاشبہ جو آدمی دوسرے کے عیبوں کے درپے ہوگا، اللہ بھی اس کے عیبوں کے درپے ہوگا اور اللہ جس کے عیبوں کے درپے ہوگیا، وہ اسے اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دے گا۔"

(سنن أبي داوٗد : 4880۔ سنن الترمذي : 2032)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

((أَسْلَمَ النَّاسُ وَآمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ))

''عام لوگ تو مسلمان ہوئے جب کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا، ایمان لائے۔'' (جامع الترمذي : 3844، مسند الإمام أحمد : 155/4)

سیدنا مجاشع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں اپنے بھائی کو لے کر آیا ہوں۔ آپ اس سے ہجرت کرنے کی بیعت لے لیں۔ آپ نے فرمایا: ''ہجرت کرنے والے ہجرت کر کے ہجرت کا ثواب سمیٹ چکے (اب مکہ فتح ہو جانے کے بعد یہاں سے ہجرت نہیں ہو سکتی)۔ میں نے عرض کیا: تو پھر اس سے کس بات کی بیعت لیں گے؟ آپ نے فرمایا:

((أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ))

''میں اس سے اسلام لانے، ایمان قبول کرنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی بیعت لیتا ہوں۔'' (صحيح البخاري : 4305، 4306)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں اور ان کا مفہوم بھی الگ الگ ہے۔ کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں اچھی طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی اصل حیثیت سے بڑھ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس پر انھیں یہ ادب سکھایا گیا کہ ابھی تو تم اسلام میں داخل ہی ہوئے ہو۔ تمھارا ابھی سے بلند ایمان کا دعویٰ کرنا بے محل ہے۔ البتہ آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرتے کرتے ایمان کے مرتبے تک پہنچو گے۔

احکام و مسائل:

1. بعض لوگ بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جب کہ درحقیقت ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا۔

2. جو آدمی اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں کرے گا۔
3. جو آدمی اخلاص کے ساتھ ایمان لا کر اس کے تقاضے بجا لائے، اللہ تعالیٰ اس کی بشری کمزوریوں کو معاف کرنے والا ہے۔
4. ایمان لے آنے کے بعد آدمی کو اپنے ایمان کے بارے میں کسی قسم کا شک اور تردّد نہیں ہونا چاہیے۔
5. ایمان والے لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔
6. رسمی اور زبانی ایمان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔

دین دار ہونے کا احسان

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الحجرات : 17، 18)

”وہ آپ پر احسان دھراتے ہیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ اپنے اسلام قبول کرنے کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمھیں دولت ایمان سے مالا مال کیا ہے، اگر تم سچے ہو۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم رکھتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم مسلمان ہوئے، عرب آپ سے لڑتے رہے لیکن ہم آپ سے نہیں لڑے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان میں سمجھ بہت کم ہے اور شیطان ان کی زبانوں پر بول رہا ہے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند البزار: 5141، السنن الکبری للنسائی، ح: 11455، المختارۃ للضیاء 346/10، ح: 374، تفسیر ابن کثیر: 667/5 وسندہ حسن)

احکام ومسائل:

1. کوئی آدمی اپنے ایمان اور عمل صالح کا اللہ، اس کے رسول، کسی دینی رہنما یا عام اہل ایمان پر احسان نہ جتلائے، کیوں کہ درحقیقت دین کی ہدایت اور ایمان کی راہنمائی کا مل جانا اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔
2. اللہ زمین و آسمان کی ہر چیز سے باخبر ہے۔ اس سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں۔
3. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام احوال و اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان کو بخوبی جانتا ہے۔

دارُالسَّعادۃ
منکیرہ، ضلع بھکر
0333-8903125, 0300-6431693